فہرست

لمعات:

یہ ہمارا خواب تھا	ادارہ	3
مطالب القرآن فی دروس الفرقان (۲۹واں پارہ)	غلام احمد پرویزؒ	5
حضرات گرامی قدر!	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	25
''آئینۂ پرویزیت اور'علماء'' کے محترم غلام احمد پرویز پر کفر کے فتویٰ' پر تبصرہ	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	32
حمد و ستائش کا مالک	غلام باری، مانچسٹر	56
بسلسلہ 14 اگست	ادارہ	64

حدیث نبوی ﷺ

اپنے آخری حج کے خطبہ میں حضورِ انور ﷺ نے اعلان فرما دیا۔ ''اے نوعِ انسان! جان لو کہ تمہارا رب بھی ایک ہے اور تم اپنی اصل کے اعتبار سے بھی ایک ہی ہو (لہٰذا نسلی امتیاز کوئی شے نہیں) کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری اور فضیلت نہیں۔ برتری اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے (جسے ہر انسان حاصل کرسکتا ہے)۔ (معراجِ انسانیت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

یہ ہمارا خواب تھا

(1) حضرت عمرؓ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے ذرا دیر سے نکلے۔ منبر پر چڑھے تو لوگوں سے معذرت کی کہ اس تاخیر کا باعث ان کا کرتہ ہے۔ انہوں نے اسے دھو کر سکھانے کے لئے ڈال رکھا تھا اور اس کے سوکھنے میں دیر ہو گئی۔ یہ اس لئے کہ آپ بیت المال سے صرف ایک چادر اور ایک کرتہ لیا کرتے تھے۔

(2) حضرت عمرؓ اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے لئے صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیا کرتے تھے۔ یہ ایک مزدور کی کم از کم روزانہ اجرت کے برابر تھا۔

(3) بیت المال میں کہیں سے مُشک آئی۔ حضرت عمرؓ کی بیوی نے کہا کہ لایئے اسے ترازو سے تول دوں۔ فرمایا ہاں! اسے تم ترازو میں تولوگی اور جو مُشک پلڑے میں رہ جائے گی اسے اپنے کپڑوں سے مل لوگی۔ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ عمرؓ کا نہیں کہ یوں اپنے صَرفہ میں لے آؤ۔

(4) حضرت عمرؓ کسی مقدمہ میں بطور مدعا علیہ حضرت زیدؓ (قاضی مدینہ) کی عدالت میں گئے تو حضرت زیدؓ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے انہیں ڈانٹا کہ عدالت کی نگاہ میں عمرؓ اور مدعی یکساں ہونے چاہئیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا جذبہ غیر شعوری طور پر عدل میں مانع ہو جائے۔

یہ خواب کی تعبیر ہے

(1) جب ہشام بن عبدالملک (خلیفۃ المسلمین) حج کے لئے آیا تو چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے پہننے کے کپڑے ساتھ تھے۔

(2) مامون الرشید (خلیفۃ المسلمین) کے دسترخوان کا روزانہ خرچ دس ہزار درہم تھا۔

(3) ولید (خلیفۃ المسلمین) نے اشعب مسخرے کو بلایا۔ اسے بندر کی کھال پہن کر ناچنے کو کہا اس نے اس طرح ناچ'

ناچا اور گایا تو ولید نے خوش ہو کر ہزار درہم انعام میں بخش دیئے!

(4) بغداد کے قاضی حفصؒ نے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کے کارندے کے خلاف ڈگری دے دی۔ وہ ہارون الرشید کے سر ہو گئی کہ قاضی کی یہ مجال کہ میرے کارندے کے خلاف فیصلہ دے دے۔ خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید نے اس ''جرم'' کی پاداش میں قاضی کو معزول کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر' فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

چند مفید ویب سائٹس

www.toluislam.com, www.tolueislam.com, www.islam21.info, www.shalimar.com, www.aboutquran.com, www.islamicdawn.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المزمل

(آیات 1 تا 9)

عزیزانِ من! آج جنوری 1984ء کی 27 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز یوں کہیے کہ سورۃ المزمل سے ہو رہا ہے: (73:1)۔

انقلاب کے مقابلے میں انقلاب

سابقہ دو درسوں میں جو حقائق سامنے آئے میں نے دیکھا کہ انہوں نے سامعین کے ذہنوں میں ارتعاش پیدا کر دیا اور یہ علامت بڑی خوش آئند ہے کہ کچھ جمود ٹوٹا۔ احباب یکے بعد دیگرے آتے رہے اور ایک ہی سوال دہراتے رہے۔ اس سوال کا ملخص یہ تھا کہ قرآن کی رو سے نبی اکرمﷺ جو انقلاب لائے وہ یقیناً بڑا حیرت انگیز تھا لیکن اس کے بعد یہ جو انقلابِ معکوس آیا' یہ اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کیسے ہوا؟ یہ واقعی بڑا اہم سوال ہے کہ یہ ہوا کیسے؟ یعنی یہی چیز جو ایک لفظ تھا کہ حضورﷺ سے کہا گیا کہ ''قُمْ'': اس انقلابِ عظیم کا جھنڈا لے کر اٹھیے! اس انقلابِ عظیم کا دنیا کے اندر اعلان کیجیے۔ یہ اتنا بڑا انقلاب تھا کہ جس نے ملوکیت' سرمایہ داری اور برہمنیت کی تمام شعبدہ کاریوں کو ختم کر کے رکھ دیا اور انسانیت کو صحیح آزادی سے سرفراز فرمایا۔ اس انقلاب کے بعد یہ ملوکیت اور اس کے ساتھ یہ سب چیزیں جو مٹ گئی تھیں' وہ تمام کی تمام بارِ دیگر' پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے اسی معاشرے کے اندر' اسی امت کے اندر' اسی قوم کے اندر آ ثبت ہوئیں۔ یہ ہوا کیسے؟

یہ ہوا کیسے؟ اس کی بنیادی وجہ کیا ہوئی؟

یہ واقعی تعجب انگیز بات ہے۔ امیہ کے دور (750-661 عیسوی بمطابق 132-41) ہجری میں تو یہ چیز ایسے نہیں ہوئی تھی۔ یہ

ٹھیک ہے کہ موروثی بادشاہت تو آ گئی تھی لیکن اس دَور میں قرآن کے سوا عربوں کے پاس کوئی اور کتاب ہی نہیں تھی۔ یہ عربی ملوکیت ہی تھی۔ اس کے بعد جو عباسیوں کا دَور (1258-750 عیسوی بمطابق 656-132) ہجری آیا ہے تو اس میں نہ قرآن باقی رہا' نہ عربیت باقی رہی۔ ان کی بادشاہت' ان کی سلطنت' ایرانیوں کی رہینِ منت تھی اور یہ ایرانی آ کر اس معاشرے پر چھا گئے تھے۔ اقبالؒ (1938-1877) جو عربی اور عجمی اسلام میں تفریق کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ عجمی اسلام کی ابتداء یہی عجم سے ہوئی تھی۔ اس کیساتھ ملوکیت اور یہ دونوں جذام' برہمنیت اور سرمایہ داری' در آئے۔ اب قرآن کی موجودگی میں' ان میں سے کسی کے لیے بھی تائید و دلیل ملنا تو ایک طرف رہا' ان کے جواز کے لیے بھی کوئی وجہ ہی نظر نہیں آتی تھی۔ قرآن کی موجودگی میں ان کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا: نہ ملوکیت کا' نہ سرمایہ داری کا' نہ برہمن کی اس مذہبی پیشوائیت کا۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے رکھا تھا۔ اس میں تو ایک لفظ کی بھی تبدیلی نہیں کی جا سکتی تھی۔

قرآن کا مفہوم بدل دیا گیا

چنانچہ اسکیم یہ سوچی گئی کہ قرآن کے الفاظ تو اسی طرح رہیں لیکن قرآن کا پورا مفہوم بدل دیا جائے۔ قرآن کے ساتھ ہی نبی اکرمﷺ کی حیاتِ طیبہ تھی' وہ اس انقلاب کی زندہ شہادت تھی۔ اگر وہی روش' وہی سنت' وہی حضورﷺ کی سیرت' ہی سامنے آتی رہی ہوتی تو بھی یہ انقلابِ معکوس کبھی نہ آتا۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ انتظام کیا تھا کہ قرآن دیا اور قرآن کے اندر ہی نبی اکرمﷺ کی سیرت کے اصولی خدوخال بھی دیدیئے۔ نبی اکرمﷺ کی صحیح سیرت قرآن سے ہی مرتب ہوتی ہے اور آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں نے جو سیرت نبی اکرمﷺ ''معراجِ انسانیت'' کے نام سے لکھی ہے اس کا انداز ہی یہ ہے کہ سرِنامہ قرآن کی آیت ہے اور اس کے نیچے قرآن کے مطابق جو کچھ حضورﷺ کی زندگی کے احوال وکوائف آتے ہیں' وہ اس کے نیچے آتے ہیں کیونکہ سیرت نبی پیش کرنے کا یہی ایک صحیح طریق ہے۔ اس کے برعکس خود ساختہ روایات کے تحت سیرت نبویﷺ کو کیا سے کیا بنا دیا گیا۔ میں اتنا واضح کر دوں' عزیزانِ من! کہ یہ کچھ جو میں کہونگا اسے ہمارا آج کا ماحول' آج کی فضا' قبول کرنا تو ایک طرف رہا' اس کے سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوگی۔ وہ آپ احباب کی اطلاعات کے لیے بھی ہے جو میں عرض کرونگا لیکن درحقیقت میرے سامنے آنے والا مورخ ہے۔

میری ذاتی معروضات

یہ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ہمیں یہ ایسے ذرائع میسر آ گئے ہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں' وہ منضبط ہو رہا ہے' ٹیپ کے اندر محفوظ ہو رہا ہے' تو میں اس وقت مخاطب کرونگا اپنے آنے والے کسی مؤرخ کو کہ آپ کے لیے اور قرآن کے لیے اگر فضا سازگار ہو جائے تو

اس وقت یہ کچھ جو آج میری معروضات ہیں جنہیں میں آج پیش کر رہا ہوں' یہ آپ کے لیے نشانِ منزل بن سکیں گی کہ اس دور میں کسی نے یہ بات کہی تھی اور اس سے یہ بات آگے چل سکے گی' آج بہت مشکل ہے۔ تو جو کچھ میں آج پیش کر رہا ہوں' وہ صرف آپ احباب کے لیے ہی نہیں' آنے والے مورخ کے لیے بھی ہے۔ اقبالؒ (1938-1877) نے بھی اپنے آپ کو شاعرِ فردا کہا تھا' وہ ہوتا ہی یہ ہے قرآن پیش کرنے والے کے لیے' ابھی تک بھی' اس کا موجودہ ماحول سازگار نہیں ہے اور اقبالؒ کے دور میں تو ابھی اتنی شدت نہیں تھی۔ آج تو مذہبی پیشوائیت کی جو شدت ہے وہ انتہا تک پہنچی ہوئی ہے' ماحول بہت پیچھے چلا گیا ہے' وہ ٹھیک کہا تھا اقبالؒ نے کہ

خواب سے بیدار ہوتا ہے کوئی محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

یہ پچھلی صدی ہمارے لیے خوش بختی کی صدی تھی کہ اس میں سر سید احمد خاںؒ (1898-1817ء) جیسی شخصیت پیدا ہوئی۔ اس نے یہ جتنی بھی برہمنیت کی' مذہبی پیشوائیت کی' قدامت پرستی کی' تاریکیاں تھیں انہیں دُور کرنے کی بڑی حد تک کوشش کی اور قرآن کو اِس فضا میں لے آیا۔ فضا میں قرآن کی بات گونجی۔ اس کے بعد مفکر قرآن محمد اقبالؒ (1938-1877ء) آ گیا۔ اس نے اس کے لیے بہت کچھ کیا۔ اس کے بعد اسی روش کے اندر قائداعظم محمد علی جناحؒ (1948-1876ء) نے بھی قرآن کی بات آگے بڑھائی۔ قرآن اور صرف قرآن' یہی کچھ کہا۔ اس کے بعد آگے بات کرنے سے مجھے کچھ تھوڑی سی ہچکچاہٹ آتی ہے کہ اپنا ہی نام آ جاتا ہے۔ میں نے بھی اسی سلسلے کو آگے چلایا۔ مجھے قرآن کہتے ہوئے پچاس برس ہو گئے ہیں لیکن یہ دَور اس کے خلاف اس شدت سے ابھرا ہے کہ آج یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری۔ لیکن میں نے عرض کیا ہے کہ یہ غنیمت ہے کہ یہ چیزیں محفوظ ہو رہی ہیں۔

قرآنی نظام ایرانی سازش اور عجمی سازش کا شکار ہو گیا

میں کہہ یہ رہا تھا کہ پھر ہوا کیا؟ عباسیوں کے دور (1258-750ء بمطابق 656-132ھ) میں یہ عجمی سازش جو ایرانی سازش تھی پوری شدت سے اٹھی۔ اِن ایرانیوں نے عربوں کے ہاتھوں شکست کھائی تھی۔ انہوں نے اس شکست کا بدلہ عربوں سے ہی نہیں لینا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ سب کچھ قرآن ہی کی وجہ سے ہوا ہے تو انہوں نے یہ سارا انتقام قرآن سے لینا تھا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس انتقام کے لیے کیا کیا جائے۔ اس کا حل یہ تھا کہ نہ قرآن اپنے الفاظ میں رہے' نہ قرآن کا مفہوم قرآنی رہے' نہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت قرآنی رہے۔ مؤرخ کے لیے یہ لمحے بڑے غور طلب ہیں کہ اس سے پیشتر آپ کے ہاں احادیث کا کوئی مجموعہ ہی نہیں تھا۔ ایک مجموعہ ہے جسے مؤطا امام مالک کہتے ہیں۔ اس میں انہوں نے صرف مدینے میں جو اصحابِ رسول ﷺ تھے' صرف ان کا جو مسلک تھا' وہی لکھا ہے۔ ان

کی بھی کیفیت یہ تھی کہ وہ ہر سال اپنے اس مجموعے میں سے خود ہی روایات کم کرتے جاتے تھے۔اس کے اندر زیادہ سے زیادہ تین سو سے پانچ سو تک روایات ہیں اور وہ مدینہ کے اصحاب کا مسلک ہے۔

روایات کے مجموعے کس طرح مرتب ہوئے

عزیزانِ من! یہ جو پھر بعد میں ہمارے ہاں مجموعے ہوئے' ان میں ایک ایک راوی کو چھ چھ لاکھ حدیثیں ملیں اور ان کا سارا مجموعہ گنا جائے تو وہ قریباً دس لاکھ کے قریب بنتا ہے۔اس میں سے انہوں نے منتخب کر کے ایک ایک مجموعہ مرتب کیا۔ان میں بھی وہ ہزاروں کی تعداد کے اندر احادیث آئیں۔ان مجموعوں میں چھ تو ایسے ہیں جن کو صحاحِ ستہ یعنی صحیح ترین قبول کیا گیا۔پھر انہی میں سے بخاری اور مسلم دو ایسی ہیں جن کو صحیحین کہا گیا۔یہ عجیب چیز ہے کہ یہ چھ کے چھ ہی ایرانی [1] تھے یعنی ان میں کوئی عرب محدث ایسا نہیں ہے کہ جس نے یہ جمع کی ہوئی روایات اور احادیث کے مجموعے مرتب کیے ہوں۔ان مجموعوں کے اندر کوئی ایک بھی عرب نہیں ہے۔ بہر حال وہ اب بھی موجود ہیں' دیکھے جاسکتے ہیں۔انہی کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کی سیرت مرتب ہوئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کی مصروفیات

آپ کو اس پر تعجب ہوا کہ قرآن نے تو کہا تھا کہ قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا [2] (73:2) کیونکہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا (73:7) اے رسول! تمہارے سامنے دن بھر اتنا بڑا بھرپور پروگرام ہوتا ہے کہ تمہیں وہ فرصت ہی نہیں مل سکتی' اس لیے ٹھیک ہے پھر رات کو سوچنا ہوتا ہے: آج جو کچھ کیا ہے اس پہ نظرِ ثانی کرنا' کل کے لیے پروگرام مرتب کرنا' صحابہ کی تربیت کرنا' ان کو اس کے لیے تیار کرنا۔وہ اتنا عظیم پروگرام ہے۔اس کا ہم سے نہ پوچھیے۔یہ جو غیر مسلم مؤرخ مستشرق ہیں' ان سے پوچھیے کہ جب وہ کہتے ہیں کہ پتہ نہیں ان کے پاس کیا قوت تھی کہ چند سالوں کے عرصے میں ایران اور روما جیسی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے' مملکتیں ہی نہیں الٹ دیں' ان کی تہذیبوں کی' ان کی تمدنوں کی' جڑیں نکال دیں۔ایک فردِ عرب کی سرزمین سے اٹھا اور اس نے یہ کچھ کر کے رکھ دیا۔ان کی سمجھ میں بات نہیں آتی کہ یہ کیا ہوا؟ اتنا عظیم انقلاب!! تاریخِ انسانیت اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔عرب اور عجم یا ایران اور روم ہی نہیں' انسانیت کی پوری تاریخ' اتنا عظیم انقلاب' اتنے تھوڑے عرصے میں' اتنے کم ذرائع کے ساتھ' اس کی کہیں کوئی مثال ہی نہیں ملتی' وہ

---

[1] اِن نکات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق: مطالب القرآن فی دروس الفرقان سورۃ حج' ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ' لاہور' 2005' ص ص 218-199 نیز فٹ نوٹ نمبر 1 ص۔201۔

[2] اس (انقلاب) کے لیے ان (احباب) کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔(دن میں تجھے فرصت کم ہوگی' اس لیے) اس مقصد کے لیے رات کو بھی جاگنا ہوگا (17:79; 76:26)۔ (مفہوم القرآن۔پرویز)

دانتوں میں انگلی دبا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ذرا پڑھیے' ان کے ہاں' جو کچھ انہوں نے' جس طرح لکھا ہے۔

عزیزانِ من! پہلی چیز جو ہوئی اس کے بارے میں' میں نے عرض کیا تھا کہ وہ یہی بات تھی کہ جس کے لیے خدا کو یہ بات کہنا پڑی کہ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا (73:2) ٹھیک ہے ضرورت ہے کہ دن میں اتنا کام ہوتا ہے کہ تمہیں فرصت نہیں ملتی کہ اس پر سکون و سکوت کے ساتھ' یکسو ہو کر' پھر غور و فکر کیا جائے۔ آپ سوچیے کہ اس بات کی کتنی ضرورت ہوتی ہے کہ جو کچھ کیا ہے' اس پہ نظرِ ثانی ہو' کل آنے والا پروگرام مرتب کیا جائے' پھر اپنے ساتھیوں کو تیار کیا جائے' سمجھایا جائے' تربیت دی جائے' پوائنٹس دیئے جائیں۔ یہ دن رات کا کام ہے۔ اسی لیے کہا اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ❶ (73:7)۔ یہ چیز تھی جس کے لیے یہ کہا تھا۔ میں ابھی اور عرض کروں گا کہ قرآن نے یہ کہاں کہاں کہا۔ قرآن کی رو سے یہ چیز آتی تو معلوم ہوتا کہ یہ کونسا محیر العقول انقلاب تھا جس کے لیے اس پروگرام کی ضرورت تھی' جبکہ ہمارے ہاں نہایت آسانی سے یہ تصور عام کر دیا گیا کہ نبی اکرمؐ رات کو' جب ساری دنیا سوتی تھی' نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ ساری رات اتنے نفل پڑھتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاؤں سوج جایا کرتے تھے۔ اب یہ ہو گئی سیرت نبی اکرم ﷺ اور قُمِ الَّیۡلَ (73:2) کا یہ مفہوم ہو گیا۔ قرآنِ کریم میں جہاں جہاں بھی حضور ﷺ کی سیرت کے متعلق کچھ چیزیں آئی ہیں ان کے فوراً ہی ساتھ ایک روایت آ گئی ہے اور وہ اسی انداز کی ہے کہ سیرت میں یہ آیا' ملوکیت کی تائید میں' سرمایہ داری کی تائید میں' برہمنیت کی تائید میں' یہ سارا انبار اس کے اندر اکٹھا کر دیا۔

روایات کی رو سے قرآن کی پہلی تفسیر اور پہلی تاریخ

اب باری آئی قرآن کی۔ جب یہ سارا کچھ اس طرح' ایک طرف مرتب ہو گیا تو پھر ایک صاحب ایران سے آئے۔ وہ طبرستان کے تھے' طبری ❷ ان کا نام تھا۔ دوسرے بخاری ❸ ہیں' یہ بخارا سے تھے' تیسرے مسلم ❹ ہیں' یہ نیشا پور کے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا

---

❶ پھر یہ بھی کہ دن میں تجھے مخالفتوں کے ہجوم کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں تیرے سامنے اتنے کام ہوتے ہیں کہ تجھے سارا سارا دن سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔ (لہٰذا جن امور کے لیے قدرے سکون کی ضرورت ہو' ان کے لیے دن میں وقت ہی نہیں مل سکتا)۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

❷ ان کا نام امام محمد بن جریر طبری ہے۔ آپ طبرستان کے قصبہ ''امل'' میں (224ھ) پیدا ہوئے اور 311ھ میں وفات پائی۔ آپ کے دادا کا اصل نام رستم تھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد یزید نام رکھا گیا۔ ابن جریر خالص شیعوں کے لیے جو کتاب لکھتے تھے اس میں اپنا نام محمد بن جریر بن رستم لکھتے تھے اور سارے مسلمانوں کے لیے جو کتاب لکھتے تھے اس میں اپنا نام محمد بن جریر بن یزید لکھتے تھے۔ (حوالہ: پرویزؒ: شاہکارِ رسالت' طلوعِ اسلام ادارہ' لاہور' 1987ء' ص504)۔

❸ ان کا نام امام محمد اسماعیل بخاری ہے۔ یہ 194ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ ان کا سالِ وفات 258ھ ہے' بعض کے نزدیک 260ھ ہے۔ یہ سمرقند کے قریب فوت ہوئے۔ انہوں نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں۔ ان میں سے مکررات حذف کرنے کے بعد 2762 اپنے مجموعے میں درج کیں۔ اس نکتہ کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق (مدیر): مطالب الفرقان فی دروس القرآن سورۃ الکہف و سورۃ مریم' ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ' لاہور' 2004ء' ص۔325۔

❹ ان کا نام امام مسلم بن حجاج ہے۔ آپ 204ھ میں نیشا پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سالِ وفات 261ھ ہے۔ آپ نے تین لاکھ احادیث جمع کیں اور ان میں سے 4348 اپنے مجموعے میں درج کیں۔

کہ یہ ایک صاحب طبری نام کے طبرستان کے تھے۔ انہوں نے قرآن کی تفسیر مرتب کی۔ یہ قرآن کی پہلی تفسیر ہے۔ یہ انہوں نے انہی احادیث اور روایات کی رو سے مرتب کی۔ جو کچھ کہنا تھا یا جو کچھ روایات میں لکھا تھا' انہوں نے' قال رسول اللہ کہا کہ حضورﷺ نے فرمایا اور آگے پھر وہ لکھ دیا۔ اب جب کسی کے سامنے یہ پچھا آئے کہ قرآن کی اس آیت کے متعلق حضورﷺ نے یہ فرمایا تو اس کے بعد کس کو جرأت ہے کہ اس کے خلاف کچھ کہے یا اس سے انکار کرے۔ اس طرح پورے قرآن کی تفسیر ثبت کردی۔ اب وہ تفسیر آ گئی۔ اب ایک یہ چیز تھی کہ بھئی! تاریخ سے ہی کچھ معلوم کرو کہ وہ دَور کس قسم کا تھا۔ انہی صاحب نے ایک تاریخ بھی مرتب کردی۔ اس طرح قرآن کی یہ پہلی تفسیر' پہلی تاریخ' احادیث کے پہلے مجموعے' یہ سارے عجمیوں کے' مرتب کردہ تھے تو ان کی رو سے' عزیزانِ من! کیا آپ کے سامنے اس انقلاب کا نقشہ آئے گا جو محمد رسول اللہ والذین معہ کے ہاتھوں آیا تھا' برپا ہوا تھا؟ کیا وہ نقشہ آئے گا جس میں نہ یہ ملوکیت باقی رہ سکتی تھی' نہ سرمایہ داری باقی رہ سکتی تھی' نہ یہ برہمنیت باقی رہ سکتی تھی؟ وہ نقشہ تو آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے لیے انہوں نے اس پورے لٹریچر کے اندر اتنی مقدس سندیں مہیا کردیں کہ ہزار برس سے اسلام ہی یہ رہ گیا' اسلام نام ہی اسی کا رہ گیا۔ آج بھی بے حدو نہایت ہر شے کی ذاتی ملکیت اسلام میں جائز ہے۔ آج بھی غلام اور لونڈیوں کے یہ فتوے جاری ہیں۔ آپ کے ہاں' ان بادشاہوں کے ہاں' تین تین ہزار لونڈیاں موجود تھیں' چاندی اور سونے کے ذخائر کا تو پوچھیے نہیں کہ کیا کیفیت تھی' موروثی ملوکیت ان کے ہاں تھی۔ وہ بادشاہ ظل اللہ علی الارض [1] تھے۔ یہ سب کچھ کرنے والے یہ مذہبی پیشوا تھے۔ یہ ہے' عزیزانِ من! قرآن کی وہ تفسیر' نبی اکرمﷺ کی وہ سیرت' جسے سنتِ رسول اللہﷺ کہا جاتا ہے۔ ان کی رو سے اسلام کا یہ ہیولا اور یہ نقشہ بنا جو ہمارے ہاں آج تک مرتب چلا آ رہا ہے۔ ملوکیت' اس کے خلاف کسی کو لب کشائی کرنے ہی نہیں دیتی تھی۔ اسی اندازِ حکومت کے لیے پھر قوانین بنے' جنہیں آپ فقہ کے قوانین کہتے ہیں' وہ سارے قوانین انہی پہ مبنی ہیں' ان کو ابدی قرار دیا' غیر متبدل قرار دیا کہ اسی طرح سے' وہ قیامت تک کے لئے امتِ مسلمہ پر نافذ کیے جائیں گے۔

مجھے کسی کی تحقیر مقصود نہیں

عزیزانِ من! میں اتنا عرض کردوں کہ مجھے یہ جتنے بھی ہمارے ہاں حضرات گزرے ہیں ان کی تحقیر مقصود نہیں ہے۔ ان کا نام بھی تعظیم سے لینا چاہیے۔ یہ تو بہرحال بزرگوں ہی کی صف میں مشہور ہیں۔ اس لیے مجھے کسی کی تنقید اور تحقیر مقصود نہیں۔ یہ تاریخ کے واقعات ہیں۔ انہیں ان لوگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کچھ کہا تھا یا نہیں۔ اس زمانے میں تو کوئی چھاپے خانے (Printing Presses) بھی نہیں تھے کہ ان کی کوئی چھپی ہوئی کتاب ہی ہوتی۔ فقہ حنفی جو ساری دنیا کے اندر اتنی مشہور

---

[1] زمین پر اللہ کا سایہ۔

چلی آ رہی ہے' آج یہ خود کہا جا رہا ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ (767-699/150-80ھ) نے فقہ کی کوئی کتاب مرتب کر کے ہی نہیں دی تھی' تو پھر یہ ساری حنفی فقہ کہاں سے آ گئی۔ اس سے تو ہمیں غرض نہیں ہے کہ یہ حضرات کس حد تک اس کے ذمہ دار تھے۔ ان کی طرف منسوب کردہ' یہ ساری کتابیں' آج موجود ہیں۔ اب اس کا نام تو یہی لیا جائے گا: بخاری کہا جائے گا' مسلم کہا جائے گا' فقہ حنفی کہا جائے گا۔ جو کچھ بھی ہے جو بھی اس کے ذمہ دار تھے وہ یہی کچھ ہے۔ اشخاص سے غرض نہیں ہے' اس کا جو کچھ ماحصل ہمارے پاس موجود ہے' جو سند پیش کی جاتی ہے' اس سے غرض ہے۔ جس نے یہ بات کہی تھی' اس سے غرض نہیں کیونکہ بھئی! قرآن موجود ہے۔

اصل معیار' اصل کسوٹی صرف اور صرف قرآن ہے

قرآن کی رو سے ان کو ایک دفعہ چھان پھٹک کر تو دیکھ لو۔ جو اس کے مطابق ہے' اسے صحیح سمجھو۔ جو اس کے خلاف جاتا ہے' سمجھ لو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط منسوب ہوئی ہے' اس بات کو تختہ دار پہ لٹکا دو مگر ان شخصیات کا تقدس برقرار رہے' ان کے خلاف آواز نہ برپا ہو۔ بہرحال' عزیزانِ من! یوں ان آیات کی تفسیریں مرتب ہوئیں' یوں نبی اکرم ﷺ کی سیرت مرتب ہوئی' یوں انہیں ایسا بنا دیا کہ وہ ان چُھ بن گئے کہ اس پہ تنقید نہ کی جا سکے' چھان پھٹک تو بہت بڑی بات ہوتی ہے۔

تسبیح کی حقیقت

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ قرآن نے کہا کہ قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا ❶ (73:2)۔ کہا تو یہ گیا تھا کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا (73:7)۔ بات بڑی صاف تھی کہ "دن میں اتنا کام ہے۔" اب وہ جو سبحاً طویلاً ہے وہ سبح' تسبیح کے اوپر آ گئی۔ صاحب! وہاں (ایران) سے ایک لفظ تسبیح آئی اور تسبیح آ گئی یہ دانے والی۔ اسلام تو ایک طرف' مومن تو ایک طرف' خود عرب اس دانے والی تسبیح سے نا آشنا تھے۔ یہ جو دانوں والی تسبیح ہوتی ہے' یہ بدھوں کی ہے۔ وہاں سے عیسائیوں کے راہبوں نے لی۔ وہاں سے شام کے راستے سے' کوئی دو سو سال کے بعد' مسلمانوں میں آئی۔ اب قرآن میں' جہاں بھی یہ سبح کا لفظ آیا' وہ تسبیح آ گئی کہ دن بھر تسبیح پھیرتے رہا کرو' رات کو نفل پڑھتے رہا کرو۔ سورۃ بنی اسرائیل کی وہ بڑی اہم آیت ہے جس کو عام طور پہ دہرایا جاتا ہے۔ وہ آیت ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّيۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ط اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا ❷ (17:78)

---

❶ اس (انقلاب) کے لیے ان (احباب) کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ (دن میں تجھے فرصت کم ہوگی' اس لیے) اس مقصد کے لیے رات کو بھی جاگنا ہوگا (17:79; 76:26)۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

❷ (اس کے لیے تمہارا پروگرام یہ ہونا چاہیے کہ) علی الصبح' طلوعِ آفتاب سے پہلے' قرآنی حقائق پر غور و تدبر کیا جائے اور دیکھا جائے کہ معاملات پیش نظر کے متعلق وہاں سے کیا راہ نمائی ملتی ہے...... علی الصبح' اس لیے کہ فجر کے سکوت افزا سمے میں' انسان کے خیالات میں اس قدر یکسوئی ہوتی ہے کہ اس سے قرآنی حقائق محسوس و مشہود شکل میں سامنے آ سکتے ہیں اور دل ان کی صداقت کے لیے بے اختیار گواہی دیتا ہے۔ اس کے بعد طلوعِ آفتاب سے لے کر ابتدائے شب کی تاریکی (یعنی صبح سے شام) تک اس پروگرام پر مسلسل عمل پیرا رہا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایسے اجتماعات بھی منعقد کیے جائیں جن میں باہمی مشاورت سے معاملات طے کیے جائیں۔ (42:38) (ایضاً)

عزیزانِ من! میں اِدھر چلا جاؤں گا‘ تو موضوع سے دور نکل جاؤنگا۔ کتنا عظیم پروگرام یہاں دیا ہوا ہے۔ اتنا تو صرف عرض کردوں کہ یہ جو اَقِمِ الصَّلٰوۃَ (17:78) ہے‘ قیامِ صلوٰۃ ہے‘ اس میں الصلوٰۃ صرف یہ نماز ہی نہیں ہے‘ یہ پورا ایک نظام ہے جس کے اندر ہر فرد قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرتا ہے۔ ''پیچھے چلنا'' ''الصلوٰۃ'' کے معنی ہوتا ہے۔ اس میں ہر فرد قوانین خداوندی کی اطاعت کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں ''قیام'' کے لفظ پہ غور ہی نہیں کیا جاتا۔ یہ تو کسی نظام کا قائم کرنا ہے‘ اس کا Establish (ثبت) کرنا ہوتا ہے۔

صلوٰۃ کو قائم کرنا نظام کو قائم کرنا تھا

جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ بھی عرض کیا تھا کہ آج بھی جو نماز پڑھتے ہیں‘ وہ کبھی نہیں کہتے کہ ہم نماز قائم کرکے آئے ہیں یا میں نماز قائم کرنے جارہا ہوں۔ لکھنے میں تو یہ آتا ہے کہ نماز قائم کرو۔ یہ ایک نظام کا قیام تھا اور اس میں لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ (17:78) تھا۔ یہ طلوعِ آفتاب سے لے کر ابتدائے شب کی تاریکی تک تھا۔ یہ بات پھر دوسری طرف چلی جائے گی۔ بات تو یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب سے لے کر شام غروب ہونے تک‘ یہ سارا لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ ہے۔ تھوڑی سی عربی جاننے والے بھی جانتے ہیں کہ یہ سارے دن کا کوئی پروگرام ہے‘ کہ اس میں یہ کچھ کرو اور قرآن الفجر‘ طلوعِ سحر سے پیشتر کا وقت کہا ہے۔ یہ وقت سوچنے کے لیے‘ غور کرنے کے لیے‘ بڑا سکوت افزا ہوتا ہے‘ بڑا ہی توجہ طلب وقت ہے‘ وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ قرآن کا مفہوم اور معنی ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ انسان کے سکوت اور سکون میں‘ یکسوئی میں‘ یہ کچھ کرو‘ دن بھر یہ پورا پروگرام کرو۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ [1] (17:79)۔ صلوٰۃ کے ابتدائی دور میں تو سورۃ المزمل میں آیا ہے کہ آپ کے ساتھ رفقاء بھی ہوتے تھے۔ آپ سے کہا کہ اس کے بعد‘ جب یہ ان کے ساتھ معاملہ ختم ہو جائے تو رات کے آخری لمحات میں‘ یا آخری ساعتوں میں‘ جسے Late hours in the night (رات کے آخری لمحات) کہتے ہیں‘ اس وقت پھر اٹھو‘ لیکن یہ باقیوں کے لیے نہیں ہے‘ صرف آپ کے لیے ہے۔ تنہا اٹھ کر‘ پھر اس پر غور کرو۔

''تہجد'' کے معنی ہوتا ہے اس طرح سے‘ رات کی آخری تہائی کے وقت غور وفکر کے لیے اٹھنا۔ اب ہمارے ہاں یہ تہجد‘ نمازِ تہجد ہو گئی۔ اب ساری بحثیں اس پہ چلی آرہی ہیں کہ تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں ہوتی ہیں۔ نبی اکرمﷺ کا یہ کاہے کے لیے اٹھنا تھا؟ سارا دن یہ کچھ کرنا‘ رات کے ابتدائی حصے میں اپنے رفقاء کے ساتھ بحث وتمحیص کرنا‘ پھر رات کے آخری وقت‘ آخری Hours (لمحات)

---

[1] اور اگر حالات کا تقاضا اس سے بھی زیادہ کا ہو‘ تو تم رات کے کچھ حصے میں بھی‘ اس مقصد کے لیے جاگتے رہو‘ اور معاملات پر غور وفکر کرو۔ یہ اضافہ خصوصیت سے تمہارے لیے ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

میں تنہا اٹھنا' یہ سارا صرف اس لیے تھا تا کہ اس میں مزید غور وفکر کیا جا سکے۔ یہ تہجد ہے۔ یہ آپ کے لیے ہے اور ''نافل'' کے معنی ہوتا ہے جو چیز Voluntary (اپنے ارادے سے) کی جائے' فریضہ نہیں ہے۔ یہ آپ کے ذمہ ہے کہ اس وقت اٹھو' کیونکہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (17:78) اس وقت یکسوئی میں جو غور وفکر کیا جاتا ہے تو اس کے مفہوم ومطالب' مشہود طریق پر' سامنے آجاتے ہیں۔ کہا کہ یہ کچھ کرو۔ اس پروگرام پہ عملدرآمد کرو۔ اس سے یہ ہوگا کہ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (17:79) ساری دنیا میں حمد وستائش کے تمہارے بگل بج جائیں گے' عنقریب خدا تمہیں مقامِ محمود دیدے گا' حمد وستائش ہوگی۔ کہا گیا کہ یہ جو حضورﷺ کا مقامِ محمود ہے یہ دیا گیا ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ کہنے لگے کہ اس سے مفہوم یہ ہے کہ یہ دنیا میں جتنی نعتیں حضورﷺ کی پڑھی جاتی ہیں کسی کی بھی نہیں پڑھی جاتیں۔ چلیے جی! مقامِ محمود ہو گیا حالانکہ پروگرام یہ تھا کہ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (17:80)۔ اے میرے پروردگار! اس مہم میں' اس پروگرام میں' میں جہاں داخل ہوں' توفیق عطا فرما کہ وہ بھی صدق وصفا اور خلوص کے ساتھ داخل ہوں' اس میں کسی قسم کا اور جذبہ شامل نہ ہو۔ اور اگر مجھے وہاں سے لوٹنا بھی پڑے' پلٹنا بھی پڑے تو وہ بھی اسی طرح سے جو قرآن کی رو سے صدق وصفا کا ہوتا ہے۔ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (17:80) اور اپنی طرف سے توفیق اور نصرت عطا فرماتا چلا جا کہ ہر مہم میں کامیاب لوٹوں۔

روشنی کا عدم ہی اندھیرے کا وجود ہوتا ہے

اس کے بعد کہا کہ اے رسول! تو اس پروگرام کا اعلان کردے کہ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ [1] (17:81)۔ عزیزانِ من! سوچیے کہ کیا تہجد کی رکعتوں سے یہ چیز ہوتی ہے؟ کہا کہ اے رسولﷺ! اعلان کردے کہ ہاں' حق آ گیا' باطل ختم ہوا' باطل کی تو فطرت میں چلے جانا تھا بشرطیکہ حق آ جاتا۔ روشنی کے آنے سے اندھیرا نہیں رہ سکتا۔ اندھیرے کا وجود نہیں ہوتا۔ یہ جو Absence of Light (فقدانِ روشنی) ہوتی ہے یعنی یہ جو روشنی کا عدم ہے' کسی جگہ روشنی کا نہ ہونا ہے' وہ ہوتا ہے جسے تاریکی کہا جاتا ہے۔ کہنے لگا کہ یہ تو اس وقت ہے جس وقت یہ روشنی نہیں آئی۔ دیکھیے' عزیزانِ من! یہ کہاں آیا ہے! قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ [1] (17:81)۔ روشنی کا عدم ہی اندھیرے کا وجود ہوتا ہے۔

اہلحدیث اور اہل فقہ کے باہمی جھگڑے

یہ تھا وہ پروگرام جس کے لیے کہا ہے کہ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا [2] (73:2)۔ ہمارے ہاں اس میں یہ ہوا کہ حضورﷺ نفل پڑھتے رہتے

---

[1] للکار کر کہہ دے کہ اب نظامِ حق وصداقت کا دور آ گیا اور باطل کی تخریبی قوتوں کا زمانہ ختم ہو گیا۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

[2] اس مقصد کے لیے رات کو بھی جاگنا ہوگا۔ (ایضاً)۔

تھے: فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (17:79)۔ اس پر بحثیں شروع ہوئیں کہ تہجد کی نماز کی کتنی رکعتیں ہیں۔ یہ بڑے مسائل ہیں کہ نوافل وتر کے آخر میں پڑھے جاتے ہیں یا اول پڑھے جاتے ہیں۔ پھر اہلحدیث اور اہلِ فقہ میں اس بات پر جھگڑے شروع ہوئے کہ آیا وہ جو وتر ہیں' کیا وہ جو عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لیے جاتے ہیں' جائز ہے؟ پھر وتروں کی کتنی رکعتیں ہوتی ہیں' ایک رکعت ہے' تین رکعتیں ہیں' پھر اس کے بعد کہا کہ یہ تہجد کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ یہ مسائل ہیں۔ پھر امت ہزار برس سے بس چلی ہوئی ہے' یہی طے نہیں ہو پایا۔ یعنی جو بات اصل میں تھی' وہ تو گئی۔ اس کی جگہ یہ چیزیں آئیں اور ان کو پھر اتنی اہمیت حاصل ہو گئی ہے کہ اس پر اتنی اتنی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں: تہجد کی رکعتیں کتنی ہوتی ہیں۔ وہ پروگرام کیا تھا' یہ کیسے سامنے آتا؟ اس سے یہ سارا جتنا باطل تھا ختم ہو جاتا اگر یہ پروگرام سامنے آ جاتا۔ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ❶ (17:81)۔ اس کے بعد حق کو تو آنے ہی نہیں دیا گیا کہ کہیں باطل چلا نہ جائے۔ اس طرح مسائل در مسائل رہے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کی رو سے نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ بڑی شان سے مرتب ہوتی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ❷ (76:23) اے رسول ﷺ! تجھ پر قرآن نازل کیا۔ اب غور فرمائیے کہ حضور سے کہا جا رہا ہے کہ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (76:24) خدا کی اس حکومت کے لیے استقامت سے جمے رہو۔

حضور ﷺ سے استقامت کی تاکید

عزیزانِ من! خدا کی اس حکومت کے لیے استقامت سے جمے رہنا' کتنا بڑا جاں گسل' مشقت طلب' اور کمر شکن مرحلہ تھا کہ حضور ﷺ کو تاکید کی جا رہی ہے کہ اس پر جم کر کھڑے رہنا' استقامت سے کھڑے رہنا' یہ سب کچھ برداشت کیے چلے جانا۔ پھر کہا کہ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ❸ (76:24)۔ ان کے ساتھ کوئی مفاہمت نہ کرنا' کوئی ذرا سی بات نہ ماننا' اپنی بات پہ جم کے کھڑے رہنا۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ❹ (76:25)۔ عزیزانِ من! صبح شام ہمارے ہاں عام محاورہ ہے۔ اسے

---

❶ اور باطل کی تخریبی قوتوں کا زمانہ ختم ہو گیا۔

❷ ہم نے تجھ پر قرآن (ضابطہ حیات) بتدریج نازل کیا تاکہ اس پر ساتھ کے ساتھ عمل ہوتا رہے۔

❸ اور ان میں سے کسی ایسے شخص کی بات نہ مان جو اس کے خلاف راستے پر گامزن ہو۔ ذاتی مفاد پرستی کے غلط راستے پر چلنے سے انسان کی قوتِ عمل مضمحل ہو جاتی ہے یا اس کی صلاحیتیں دبی کی دبی رہ جاتی ہیں۔ جو شخص ایسے لوگوں کی بات پر کان دھرے گا اس کی بھی یہی حالت ہو جائے گی (کہ یا تو اس کی انسانی صلاحیتوں کی نمود ہی نہیں ہو سکے گی اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ انہیں تخریبی کاموں میں ضائع کر کے مضمحل ہو جائے گا اور یوں کاروانِ انسانیت سے پیچھے رہ جائے گا۔)

❹ تو صبح و شام' ہر وقت' خدا کی صفت ربوبیت کو اپنے سامنے رکھ اور اس کی روشنی میں نظامِ ربوبیت کی تشکیل میں سرگرمِ عمل رہ۔ (۱-۲-۳-۴ مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

سارا وقت کہتے ہیں۔ یہاں کہا کہ خدا کے قوانین کو'اس کے اسم کو' سارا وقت اپنے سامنے رکھو۔ اب ان کے ہاں اس آیت میں جو رب کا یہ ذکر آیا ہے' یہ وہی ہے جو یہاں آپ نے عشاء کے بعد مسجدوں کے اندر دیکھا اب یہ ذکر شروع ہوا ہے' صبح کے بعد وہ ذکر جس طرح سے ہوتا ہے' اُن کے ہاں' اس آیت میں یہ ذکر آ گیا۔ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ ❶ (76:25)۔اب رات کو بھی یہ ذکر ہے۔ ان کے ہاں یہ اس کی اطاعت ہے کیونکہ یہاں ہے: فاسجد۔ سجدہ تو اطاعت کے معنی میں آتا ہے: فَاسْجُدْ لَهُ ۔ یہ تو ہوا ذکر۔ اب عشاء کی نماز کی رکعتیں آتی ہیں کیونکہ رات کا ذکر آ گیا۔ مسئلہ یہ ہوا کہ وہ رکعتیں کتنی ہوتی ہیں' ان میں وتر شامل ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ پھر اس کے سارے مسائل آئے اور ان پر اتنے لمبے جھگڑے ہوتے ہیں۔ فَاسْجُدْ لَهُ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ❷ (76:26)۔ اب پھر یہاں سبحہ آ گیا۔ اس کا ترجمہ کیا کہ رات کو لمبی لمبی تسبیح پھیرا کرو۔ عزیزانِ من! قرآن کے یہ سارے مفاہیم یوں مرتب ہوئے' یوں سیرت مرتب ہوئی اور اس طرح سے یہ فقہ کے قوانین بنے۔

مسلمان ممالک میں ملوکیت کا راج

آپ کے ہاں آج تک ملوکیت ہی چلی آ رہی ہے۔ آج مغربی دنیا کی وجہ سے ہی سہی' بہر حال' ان کے ہاں کی جمہوریت نے ملوکیت کا وہ نقشہ تو بدل دیا لیکن آج بھی ملوکیت مسلمانوں کے ملکوں کے اندر ہے۔ جہاں نہیں ہے' وہاں یہ تمام مسائل موجود ہیں یا جس قسم کی حضورﷺ کی یہ سیرت مرتب ہوئی ہے' اس کو اتنی اہمیت اور تقدس حاصل ہے کہ اگر وہاں حکومت نہیں بھی ہے تو بھی اس کو ہاتھ نہیں لگانے دیا جاتا' اس پہ تنقید نہیں کی جا سکتی' اسے پرکھا نہیں جا سکتا' قرآن کی رو سے کسی معاملے پہ بحث نہیں کی جا سکتی۔

غلام اور لونڈیوں کا مسئلہ

میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا کہ مودودی صاحب ❸ کے ساتھ غلام اور لونڈیوں پہ بحث ہو رہی تھی۔ مولانا اسلم جیراجپوری علیہ الرحمۃ دوسری طرف تھے۔ قرآن کی رو سے مولانا اسلم جیراجپوری علیہ الرحمۃ (1955-1879ء) ثابت کیے جا رہے تھے کہ اسلام میں کسی قسم کے غلام اور لونڈیاں جائز ہی نہیں ہیں۔ مولانا مودودی ❸ کے پاس جب کوئی جواب نہیں تھا تو انہوں نے آخر میں کہا کہ ''ان کی غلطی یہ ہے کہ یہ قرآن کی رو سے غلامی کے عدمِ اصول کو ثابت کر رہے ہیں۔'' ان کی غلطی یہ ہے۔ اور ساتھ دو تین گالیاں بھی دیں: خبطی

---

❶ دن ہو یا رات' ہمیشہ اسی کے قوانین کے ساتھ جھک (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

❷ اسی کے قوانین کے سامنے جھک اور اپنے پروگرام کی تکمیل کی فکر میں' اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ منہمک رہ (73:1-3)۔ (ایضاً)۔

❸ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (1979-1903ء)۔

ہیں، سر پھرے ہیں۔ جرم کیا ہے؟ قرآن کی رو سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اسلام میں غلامی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ غلامی کہاں سے ثابت ہوئی؟ اِن تمام روایات کے اندر، طبری کی تفسیر کے اندر، عباسیوں کے محلوں کے اندر۔ اسلام یہ ہو گیا، (معاذ اللہ) قرآن پڑا چلا تا رہے کہ اسلام میں کسی قسم کی غلامی کا سوال ہی نہیں ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ قرآن سے غلامی کا عدمِ اصول تلاش کرنا ان کی بنیادی غلطی ہے، یہ خبطی ہیں، سر پھرے ہیں۔ آج آپ یہ بات تو سوچیے کہ جب ملوکیت تھی تو اس کے زمانے میں قرآن کا لفظ زبان پہ لانا کیا کچھ نہ کرتا ہوگا۔

تاریخ میں کہیں کہیں قرآن کی آواز سنائی دیتی ہے

یہاں تو غنیمت ہے کہ انہوں نے صرف گالی تک ہی اکتفا کیا۔ اُس زمانے میں تو پھر معلوم نہیں کہ قرآن کی آواز اٹھانے والوں پر کیا ہوتا ہوگا۔ اس زمانے میں بھی، قرآن کی تاریخ میں کہیں کہیں قرآن کی آواز تو اٹھتی ہوئی سنائی دیتی ہے لیکن ان کی تحریر کا کوئی ورق تک باقی نہیں چھوڑا۔ ان لوگوں کا کہیں نام بھی نہ آتا، وہ تو اتفاق یہ ہوا کہ جس طرح اپنے ہاں انہوں نے یہ کہا ہے کہ ان کو دیکھیے: پرویز صاحب کو، اور اسلم صاحب کو، کہ یہ قرآن سے غلامی کا عدمِ اصول ثابت کرتے ہیں، وہاں ان کا نام تو ان کے ہاں بھی آ گیا۔ اسی طرح یہ جو ہمارے ہاں کی قدیم تفسیریں یا تاریخیں ہیں، ان میں یہ ہے کہ دیکھیے: یہ سیدھی سی بات ہے کہ اس طرح سے اتنے غلام اور لونڈیاں لے لیجیے کہ یہ ثابت ہے اور وہ دیکھیے کہ فلاں صاحب ہیں جی! وہ کہتے ہیں کہ نہیں جی، قرآن کی رو سے غلام اور لونڈیاں ثابت ہی نہیں ہیں، تو وہاں گالی کے ساتھ اتنا سا نام تو ان کا آ گیا۔ اس سے ہم لوگوں کو پتہ چلا کہ کوئی ایسے تھے جنہوں نے قرآن کی بات کی تھی ورنہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا جاتا ہے۔

کل بھی سیرتِ طیبہ کا مرکز قرآن ہوگا

عزیزانِ من! بچت کی ایک ہی چیز ہے جب کبھی بھی کسی دَور میں، کسی قوم میں، مسلمانوں کے کسی دَور میں، یا کسی نے بھی چاہا کہ اسلام اپنی صحیح شکل میں، سیرت طیبہ ﷺ اپنی اصلی صورت کے اندر، دنیا کے سامنے آ جائے تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہوگا کہ قرآن اس کا محور، اس کا مرکز ہوگا، اس کا معیار ہوگا، اس کی سند ہوگی، اس کی تائید ہوگی: جو اس کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کے خلاف جاتا ہے وہ غلط ہے۔ پھر وہ آئینہ ہوگا، پھر وہی سیرت مرتب ہو سکے گی، وہی قرآن آ سکے گا۔ ورنہ وہی کچھ رہے گا کہ جو کچھ ملوکیت کے زمانے میں آپ کے ہاں اسلام کے نام سے مرتب ہوا۔ عزیزانِ من! میں نے عرض کیا ہے کہ جب ذرا سا بھی قرآن آنے لگتا ہے "تو پھر سلا دیتی ہے حکمراں کی ساحری۔ جب یہ دَور چلا جائے گا اور قرآن کا دَور آئے گا تو پھر اس کے معنی سمجھ میں آئیں گے کہ یَـــاَیُّھَـــا

الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً o نِصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلاً o اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً [1] (73:1-4) کیا ہے۔

رتل اور ترتیل کا قرآنی مفہوم

عزیزانِ من! کیا بات ہے رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً کی! یہاں ایک اور بات آ گئی۔ یہ الفاظ ہیں: رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (73:4) خود قرآنِ کریم کے متعلق یہاں تو یہ ترتیل رتل اور رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ ہے۔ یہاں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کو یہ کرنا ہے۔ رتل کے معنی بعد میں عرض کروں گا پہلے ترتیل کے عرض کرونگا۔ خود خدا نے قرآن کے متعلق کہا ہے کہ وَ رَتَّلْنٰـہُ تَرْتِیْلًا (25:32) ہم نے اس کو ترتیل سے نازل کیا ہے۔ یہ ترتیل کیا چیز ہوتی ہے۔ کوئی فارمولا' کوئی پروگرام' کوئی نظام' اس صورت میں کامیاب ہوتا ہے کہ اس میں ایک خاص نظم ہوتا ہے' ایک ترتیب ہوتی ہے' ایک تناسب ہوتا ہے مثلاً گھڑی کے پرزے۔ وہ ہوتے کیا ہیں؟ چند گراریاں' ایک فنر (Funner) اس کے اندر لیور' یہ اس قسم کی چیزیں ہیں۔ اس کے پیچ کھول کے میز پہ الگ الگ رکھ دیجیے۔ رکھے رہیں' کوئی نتیجہ ہی مرتب نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح حکیم کا نسخہ ہے۔ اب تو خیر یہ نسخے لکھتے ہی نہیں ہیں۔ اس نسخے کے اندر تمام دوائیاں الگ الگ' ان کے اجزاء الگ الگ' ان کے اوزان الگ الگ' لکھے ہوئے ہیں۔ وہ دوائیاں الگ الگ لے کر رکھ لیجیے۔ رکھ ہی نہ لیجیے' الگ الگ پھانک کے بھی دیکھ لیجیے' کچھ نتیجہ ہی نہیں نکلے گا۔ ان میں ایک خاص ترتیب سے نظم ہے' ترتیل ہے' تناسب ہے۔ گھڑی کے یہ پرزے یہ چیزیں ہوتی ہیں' وہ اس نظم و ترتیب کے ساتھ جوڑے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دیکھیے کہ کس طرح سے ڈائیل کے اوپر نتیجہ آ جاتا ہے۔ اس نسخے کو اس ترتیب و نظم کے ساتھ استعمال کیجیے' دیکھیے کہ اس میں سے کس طرح شفا ابھر کر آ جاتی ہے۔ یہ جتنے بھی اس قسم کے پروگرام ہیں' ان میں ایک خاص نظم ہوتا ہے' ایک ترتیب ہوتی ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے تو اس کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ یہ جو عربوں کے ہاں لفظ ترتیل ہے' جیسے ہمارے ہاں حسنِ ترتیب اور حسنِ نظم کہا جاتا ہے' یہ لفظ موتیوں کی لڑی کے لیے آتا ہے اور اس کے بعد وہ کہتے تھے کہ اسی قسم کے جو کسی کے خوبصورت سفید دانت ہوتے تھے ان کے لیے بھی یہ لفظ آتا تھا۔ کتنی محسوس مثالوں سے یہ قوم اپنے

---

[1] اے رسولؐ! فریضہ رسالت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے بعد' تیرے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ تو ایسے رفقائے سفر تیار کرے جن میں کامل ہم آہنگی اور یک رنگی ہو (تاکہ یہ کارواں' شاداں و فرماں' منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھاتا چلا جائے۔ اس قسم کا عمل تزمیل سالارِ کارواں کا اولین فریضہ ہوتا ہے۔) اس کے لیے ان کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ (دن میں تجھے فرصت کم ہوگی' اس لیے) اس مقصد کے لیے رات کو بھی جاگنا ہوگا (17:79;76:26)۔ لیکن ساری رات نہیں۔ آدھی رات تک یا اس سے کچھ کم یا ذرا زیادہ۔ راتوں کی ان مجالس میں تو انہیں قرآن کو اس طرح سمجھا کہ اس کا حسن ترتیب اور نظم و ضبط' ابھر کر ان کے سامنے آ جائے۔ پھر اسی ترتیب اور نظم و ضبط کے ساتھ اسے عمل میں لاتے چلے جاؤ۔ (ہم نے قرآن کو جس حسن ترتیب و تناسب کے ساتھ مربوط کیا ہے (25:32) اسی حسن نظم و ترتیب کے ساتھ تم اس پر عمل کرتے جاؤ۔) (مفہوم القرآن۔ پرویز)

الفاظ کا مفہوم سمجھا دیتی تھی۔ موتی بکھرے ہوئے ہوں یا بکھرے ہوئے ہیں' وہ لڑی میں پروئے جاتے ہیں تو ان میں ایک نظم ہوتا ہے' ایک ترتیب ہوتی ہے۔ خوبصورت دانت' صحت مند دانت' میں بھی ایک ترتیب اور نظم ہوتی ہے' اور فطرت نے جو اس کے ہاں ترتیب رکھی ہے اس کا تو پوچھیے ہی نہیں۔ اگر داڑھیں سامنے ہوتیں اور یہ دانت پیچھے ہوتے' پھر دیکھتے کچھ کھا پی کے آپ۔ یہ سامنے کے دانت' چیزوں کو چھوٹا چھوٹا کاٹتے ہیں پھر وہ ان کو پیچھے پہنچاتے ہیں تو وہ ہیں جو اس کو پیستے ہیں۔ اور ذرا علاوہ اس چیز کے خدا تو حسن و خوبصورتی کو بھی ملحوظ رکھنے والی ذات ہے۔ اگر یہ داڑھیں سامنے ہوتیں تو دیکھیے انسان کا حلیہ کیا ہوتا۔ یہ قوم ترتیل کا مفہوم کیسے سمجھاتی تھی! خوبصورت سفید دانتوں کی لڑی سے' موتی کی لڑتی سے' تشبیہہ دے کر' یہ سمجھایا ہے۔

قرآن کا مفہوم تو موتیوں کی طرح پرویا ہوا ہے

خدا نے کہا ہے کہ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (73:4) ہم نے قرآن میں ایک خاص نظم رکھا ہے۔ خود ہی کہا ہے کہ یہ نظم قائم ہوگا۔ ہم نے تصریفِ آیات سے یہ بات رکھی ہے' مختلف مقامات پر یہ چیزیں ہیں' ان کو ایک ربط کے ماتحت ایک جگہ لے کے چلے آیئے موتیوں کی لڑی کی طرح قرآن کا مفہوم پرویا جاتا ہے۔ عزیزانِ من! اسے تبویب کہتے ہیں' اسے Classification کہتے ہیں اور یہ عجیب چیز ہے۔ یہ چیزیں تو بہرحال' یہ کہنے والا گنہگار [1] اپنے ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر کہتا ہے۔ میری تو عمر اس میں گزری' میری کتابیں موجود ہیں' تبویب القرآن موجود ہے' آپ کے ہاں مفہوم القرآن موجود ہے۔ تبویب القرآن میں اس انداز سے قرآن کی آیات کو ایک ایک موضوع کے اعتبار سے Classify کر کے رکھا گیا ہے۔ آپ اس عمل تبویب کو لے آیئے اور قرآن کے نظم کے اعتبار سے ان کو ترتیب دیجیے' آپ دیکھیے کس طرح قرآن کا مفہوم ابھرتا ہوا سامنے آ جاتا ہے۔

قرآنی نظام کی ترتیب کے لیے مرحلہ وار پروگرام موجود ہے

ہم تو ابھی صرف الفاظ تک ہی رہتے ہیں' تحریروں میں یہ بات آتی ہے۔ اگر کہیں وہ قرآنی نظامِ حکومت کی بات آ جائے تو وہ جو قرآن نے پھر اس میں نظم اور خود ترتیب بتائی ہے یہ اس کے مطابق ہوگا: ابتداء کیسے کی جائے گی؟ شروع کا پروگرام کیسے ہوگا؟ کس طرح آگے بڑھتے چلے جائیں گے؟ قرآن میں' عزیزانِ من! یہ سارا پروگرام دیا ہوا ہے۔ قرآن میں' کیسے' کب' کس طرح' کیوں' کا جواب ملتا ہے۔ یہ مکی اور مدنی زندگی یونہی تاریخی حادثے نہیں ہیں' یہ وہی نظمِ قرآنی کا پروگرام ہے' اسی کے مطابق یہ سب کچھ

---

[1] یہ پرویزؒ کا اپنی ہی طرف اشارہ ہے۔

ہوا تھا جو حضورﷺ نے کیا تھا۔ اور جب بھی کبھی پھر اسی انداز کی مملکت یا نظام قائم ہوگا وہ تو اسی انداز' اسی ترتیب' سے ہوگا۔ جب بھی گھڑی گھڑی بنے گی تو اس میں وہی نظم ہوگا جو گھڑی کے پرزوں میں رکھا جاتا ہے۔

قرآن کشمکش حیات کا عملی پروگرام دیتا ہے

اب آیئے اصلی موضوع پر۔ کہا: یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ (73:1) اے وہ کہ جواب جماعت کی تیاری میں مصروف ہو! مزمل کی بات آپ کو سمجھ میں آ گئی۔ یہ بات پچھلے درس میں' پچھلی دفعہ' سامنے آئی تھی۔ کہا تھا کہ تمہیں دن بھر بڑا کام کرنا ہوتا ہے' تھکے ہوئے ہوتے ہو' رات کو جاگتے ہو' یہ بھی ضروری ہے لیکن زیادہ وقت نہ جاگو' صحت پہ بڑا اثر پڑے گا' پھر ساتھی بھی آ گے آتے ہیں' وہ بھی تھکے ہوئے ہوتے ہیں' بیمار بھی ہوتے ہیں' ان کو جانے دیا کرو: قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً o نِصْفَہٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلاً o اَوْ زِدْ عَلَیْہِ (73:1-4) اس مقصد کے لیے رات کو بھی جاگنا ہوگا لیکن ساری رات نہیں۔ آدھی رات تک حسبِ ضرورت' کبھی کم کبھی کچھ زیادہ' یہ کچھ کرو۔ یہ کچھ کاہے کے لیے کرو؟ کہا کہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (73:4) جو پروگرام تمہارے سامنے ہے' قرآن کی رو سے اس میں ایک نظم پیدا کرو۔ صحابہؓ کے ساتھ اس لیے جاگنا تھا کہ کل کا پروگرام کیا ہوگا' بھئی! قرآن کیا ہدایت دیتا ہے۔ قرآن' عزیزانِ من! مسائل ہی نہیں بتاتا' کشمکشِ حیات کے اندر ایک عملی پروگرام دیتا ہے' پروگرام کی ترتیب دیتا ہے' اس کا نظم دیتا ہے' اس کا تناسب دیتا ہے' اس کا توازان دیتا ہے۔ اس لیے کہا کہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (73:4) پھر اسی ترتیب اور نظم کے ساتھ قرآن کو عمل میں لاتے چلے جاؤ۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً (73:5) یہ ایک بہت بوجھل وزنی پروگرام ہے جو تمہارے ذمہ لگایا جانے والا ہے۔ یہ بہت بڑا پروگرام ہے۔ اسے قَوْلاً ثَقِیْلاً کہا ہے۔

پروگرام کی تکمیل بہت بڑا بوجھ تھا

سورۃ الم نشرح میں کہا ہے کہ اس پروگرام کے ابتدائی مراحل سختی منزل تنہائی سفر کے احساس اور وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ o الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ (94:2-3) ذمہ داریوں کے بوجھ سے تمہاری کمر ٹوٹ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ خدا نے تمہارے رفقاء کی ایک جماعت پیدا کر دی اور اس طرح تمہارا وہ بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔ اس طرح کیا یہ چیز باعثِ شکر گزاری نہیں کہ وہ بوجھ جس نے اے رسول! تمہاری کمر توڑ رکھی تھی' اس کو خدا نے کس قدر آسانی سے اٹھا دیا' یہ تھا وہ بوجھ۔ سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً (73:5) یہ بہت بڑا بوجھ تھا' بڑا وزن دار پروگرام ہے جو تمہیں دینے والا ہے۔ یہ اس کے پروگرام کے لیے تھا کہ زیادہ نہ جاگو' تھوڑا جاگو' سویا بھی کرو' پروگرام کے نظم وضبط و ترتیب کی آپس میں Discussion (تبادلۂ خیال) کیا کرو' صحابہؓ کو پروگرام دیا کرو: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً

ثَقِیۡلاً (73:5) بہت بڑی وزنی بات تھی یہ بڑا ہمت طلب اور صبر آزما مرحلہ ہے۔

قولاً ثقیلاً کی تشریح روایات کی رو سے

عزیزانِ من! اب آیئے بخاری شریف کی طرف۔ قرآنِ کریم نے کہا: قَوۡلاً ثَقِیۡلاً (73:5) بوجھ بہت ہے۔ بخاری شریف میں یہ ہے کہ جب رسول اللہؐ پر وحی آتی تھی تو حضورؐ کا بدن اس قدر زیادہ وزنی ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات صحابہؓ دیکھتے تھے کہ اگر ان کی کسی ران کے اوپر حضورؐ نے سر رکھا ہوا ہے اور آپ کہیں استراحت فرما رہے ہیں تو ان کو پتہ چل جاتا ہے۔ وحی آتی تھی تو ایسے ہوتا تھا جیسے ران کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اتنا وزن ہو جاتا تھا۔ یہ قولاً ثقیلاً کا لفظ جو آیا تو اس کی تفسیر یہ ہوگئی۔ یہاں وحی کے نزول کے متعلق بڑی لمبی چوڑی ابتدا بیان کی گئی ہے چنانچہ اس پہلی آیت کے سلسلہ میں، میں نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے ہاں روایت بخاری شریف درج کی ہے، پڑھنے کی بات ہے کہ یہ پہلی وحی حضورؐ پر کیسے ہوئی جبکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وحی کی کیفیت و ماہیت و نوعیت نبی کے سوا کوئی دوسرا جان ہی نہیں سکتا لیکن یہاں تو اندر کی کیفیت تک کو بیان کر دیا گیا ہے کہ کبھی گھنٹیوں کی آواز حضور کو آیا کرتی تھی، کبھی پسینہ آ جایا کرتا تھا، بوجھ اتنا بڑھ جاتا تھا کہ اگر کسی کی ران پہ سر ہے تو ہڈی ٹوٹنے لگ جاتی تھی، کبھی کسی قسم کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ یہ کوئی ڈھائی تین سو سال کے بعد بخاری صاحب [1] کو وحی کی ماہیت کا یہ معلوم ہوا ہے۔

وحی قلب نبی پر نازل کی

عزیزانِ من! یہ وہ وحی ہے جس کے متعلق قرآن نے کہا تھا کہ روح الامین اس کو قلبِ محمدؐ پہ نازل کرتا ہے۔ خدا وحی کا بھیجنے والا ہے۔ اسے یوں سمجھیے کہ جس کے Through (توسط سے) جس کی وساطت سے وحی کو بھیجا، اس کو روح الامین کہا ہے کہ وہ خود اس میں کچھ نہیں کرے گا، وہ صرف لے کے آتا ہے اور قلبِ محمدؐ پہ نازل کرتا ہے۔ عزیزانِ من! یہ وہ وحی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب وہ آتی تھی تو گھنٹیوں کی آواز آیا کرتی تھی اور آپؐ کا اتنا بوجھ ہو جایا کرتا تھا کہ صاحب! ہڈی ٹوٹنے لگ جاتی تھی۔ یہ کیوں جی؟ کہا کہ یہاں قَوۡلاً ثَقِیۡلاً (73:5) جو آ گیا ہے، یہ اس کی تفسیر آ گئی۔ قرآن نے کہا ہے کہ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلاً ثَقِیۡلاً o اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ہِیَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِیۡلاً [2] (73:5-6)۔ اب اس میں خود ہی بتا دیا کہ رات کا یہ جاگنا کا ہے کے لیے ہے۔ اگر

---

[1] امام محمد اسماعیل بخاریؒ (260 / 258-194ھ)

[2] ہم تجھ پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد کرنے والے ہیں۔ (اب قرآن کے ذریعے معاشرے میں انقلاب برپا کر کے، نظامِ خداوندی کی عملی تشکیل کا مرحلہ سامنے آتا ہے۔ یہ بہت بڑا ہمت طلب اور صبر آزما مرحلہ ہے۔ ہم نے جو کہا تھا کہ اپنے رفقاء کی تعلیم و تربیت کا کام رات کے وقت کیا کرو تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔) ایک تو یہ کہ رات کے قیام سے، انسان سہل انگاری کے جذبات پر قابو پا لیتا ہے اور اس طرح کسی قوتِ عمل میں پختگی آ جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ رات کے سکوت میں، انسانی معاملات پر غور و فکر بھی اچھی طرح ہو سکتا ہے اور بات ابھر اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

ساری رات نفل ہی پڑھنا ہوگا تو جو اگلی آیت ہے اس کو کیا کریں گے۔ وہ آیت ہے۔ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ (73:6)

لفظ ناشئۃ کا مفہوم

عزیزانِ من! یہ نــــاشــئـۃ اس طرح کا اٹھنا ہے جیسے بیج میں سے پودا اٹھتا ہے' یہ صرف اٹھنا ہی نہیں ہے' یہ ساتھ ہی بڑھنا یعنی نشوونما پانا بھی ہے۔ یہ آخری سورتیں ہیں' ان میں ایک ایک لفظ پہ کھڑا ہونا پڑے گا' ان سورتوں کے اندر سارے قرآن کی تعلیم کا ملخص آ گیا ہے اور یہ اس لیے بھی ہے کہ حضورﷺ کا وہ پروگرام آخری منزل میں پہنچا ہوا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب قرآنِ کریم کی آخری منزل میں پہنچتے ہیں تو اس میں پھر ایک تو قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں بڑا ہی ارتکاز ہے' چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں' چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں' بعض اوقات ایک ایک لفظ کی آیت ہے لیکن اس میں معنی کا جہان چھپا ہوا ہے۔ یہ لفظ ہے ناشئۃ' ناشئہ' نشئہ۔ اس کا مادہ ''ن ش ؤ'' ہے۔ اس کے ٹھیک معنی ہیں: اٹھنا' لیکن اس ''اٹھنے'' کے لیے تو عربی زبان میں بیسیوں اور لفظ ہیں۔ ''نشوونما'' تو آپ کو معلوم ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں: اس طرح اٹھنا جیسے پودا اٹھتا ہے' جیسے بیج میں سے کونپل' یہ اٹھنا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اس کا بڑھنا بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ لفظ نشوونما' Development کے معنی میں آتا ہے۔ یہ صرف اٹھنا ہی نہیں ہے بلکہ نشوونما پانا بھی ہے۔ اِس آیت میں جو کہا ہے کہ رات کے وقت یوں نیند سے جاگنا' اٹھنا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ اٹھنا کاہے کے لیے ہے؟ عزیزانِ من! اس میں ارتقاء کی بات ہے' ابھرنے کی بات ہے' آگے بڑھنے کی بات ہے۔

وَطًا کا مفہوم

اِن ساری چیزوں سے ارتقائی منازل طے ہو رہی تھیں۔ اس کے لیے کہا کہ رات کے وقت اپنی صلاحیتوں کی نشوونما کے لیے اٹھنا اَشَدُّ وَطْـاً [1] (73:6) ہے۔ وطا کا مادہ ''وطا'' ہے۔ اس کے معنی ہوتا ہے: دو چیزوں کے اندر موافقت ہونا' عمل اور قول کے اندر موافقت کا ہو جانا۔ یہاں کہا ہے کہ یہ رات کی تنہائیوں میں اٹھنے سے' اس پروگرام کی رو سے' نشوونما حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لیے دیکھنا یہ ہے کہ جو پروگرام قرآن دیتا ہے' ہم عملاً اس پر کس طرح کارفرما ہونگے۔ یہاں کہا ہے کہ وَطْـاً وَّ اَقْوَمُ قِیْـلاً [2] (73:6)۔ دو دو لفظ ہیں' عزیزانِ من! اِس آیت میں تین ٹکڑے آ گئے: (1) نَـاشِـئَۃَ الَّیْلِ رات کا نشوونما کے لیے اٹھنا' (2) اشد وطًا' یعنی سرکش

---

[1] سرکش جذبات کو بہت زیادہ مغلوب کر دیتا ہے یا (اس سے) انسان کی قوتِ عمل اس کے ارادوں اور فیصلوں کا مَـرْکَـبْ بن جاتی ہے (کیونکہ بقول صاحب محیط المحیط وَطَأَ الْفَرَسَ کے معنی ہیں ''وہ گھوڑے پر سوار ہوا'')۔

[2] رات کی تنہائیوں میں اٹھنے سے' اس پروگرام کی رو سے' نشوونما حاصل ہوتی ہے اور رات کے سکوت میں' انسانی معاملات پر غور و فکر بھی اچھی طرح ہو سکتا ہے' اور بات ابھر اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

جذبات کو بہت زیادہ مغلوب کرنا اور (3) اقــوم قیلاً یعنی رات کی سوچ کا پروگرام یا بات کو بڑا پختہ کرنا' یہ دیکھنا کہ اس میں ارتقائی منازل کیسے طے کی جائیں گی' غور وفکر کرنا۔ یہاں کہا ہے کہ اس عمل سے قرآن مشہود ہو جائے گا' بات ابھر اور نکھر کر سامنے آ جائے گی۔ اور اس کے بعد دیکھنا کہ بات کیسے پختہ ہوگی۔ اب یہ لفظ تو ''بات'' ہی ہے۔ آپ کے ہاں بھی ''بات'' کے معنی' آپ دیکھتے ہیں' کہ کتنے زیادہ ہوتے ہیں: میاں پکی بات کرو' بات کا بڑا کچا ہے' ہمارے ہاں قول اقرار کہا جاتا ہے۔ یہ چیز کہ اس طرح کا پروگرام جو طے کیا ہوا ہوگا' وہ بڑا پختہ' وزنی' مضبوط' محکم' پائیدار اور نتیجہ خیز ہوگا۔ اس کے اندر یہ سب باتیں آ گئیں اور ''اقوم'' صیغہ بھی Superlative کا ہے یعنی یہ سب سے زیادہ محکم ہوگا۔ یہ رات کا جاگنا اس کے لیے ہوا' نفل پڑھنے کے لیے نہیں تھا۔ اگر انسان نفل پڑھنے میں مصروف ہو جائے تو پھر یہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں کر سکتا۔ یہ اقوم قیلاً ہے۔ اس لیے کہ یہ جو کہا ہے کہ کچھ سو یا بھی کرو تھوڑی رات جاگا کرو' اس لیے کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (73:7) دن بھر جو مصروفیتیں ہیں' جو مخالفتوں کے ہجوم کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے' جو تیرے سامنے اپنے کام ہوتے ہیں کہ تجھے سارا سارا دن سرگرداں رہنا پڑتا ہے۔

سبح کا قرآنی مفہوم

میں نے بتایا تھا کہ ''سبح'' کے معنی ہوتا ہے ''اپنی پوری کوشش سے' انتہائی کوشش سے بلکہ پوری کی پوری استعداد اور قوت صرف کر کے کسی بات کے لیے سرگرداں ہونا'' یہاں کہا ہے کہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا (73:7) یہ اس قسم کا پروگرام ہے جس کے لیے تجھے سرگرداں رہنا پڑے گا' مسلسل جدوجہد کرنا پڑے گی' یہ دن میں تمہارے لیے بڑا لمبا پروگرام ہوتا ہے' دن میں سوچنے کی' معاملات پہ غور کرنے کی' تبصرہ اور تنقید کرنے کی' فرصت نہیں مل سکتی' رات کو اس لیے ہے کہ دن میں اس کے لیے فرصت نہیں مل سکتی۔ اب ہمارے ہاں یہ ہوگیا کہ دن میں تسبیحاں پھیرو اور رات کو نفل پڑھا کرو۔ پھر آخر رات میں تہجد پڑھا کرو۔ اگلی آیت ہے: وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا [1] (73:8)۔ اس آیت میں تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا کے معنی ہوتا ہے: یکسو ہو جانا' سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہو جانا۔ حنیف کے معنی بھی یہی ہوتے ہیں یعنی یہی چیز جس کو یکسو ہو جانا کہتے ہیں' اپنی توجہ کسی ایک نقطے پہ مرکوز کر دینا' ایں اور آں کی طرف سے ہٹ کر خالص اپنے پروگرام کے اوپر تمام توجہات کو مرکوز کر دینا۔

---

[1] اس طرح' دن رات' اپنے نشوونما دینے والے کی صفات کو اپنے سامنے رکھ (کہ انہی صفات کو معاشرہ میں عملاً نافذ کرنا مقصود ہے۔) اور اپنی تمام توجہات کو دوسری طرف سے ہٹا کر' اسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دے' اور نہایت حسن کارانہ انداز سے اس مقصد کے حصول کے لیے مصروف عمل رہ۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)۔

بتول کا مفہوم

تبتیل کے یہ معنی ہوتے ہیں' ویسے تو ان کے ہاں بتول نام بھی رکھتے تھے۔ بتول نام حضرت فاطمۃ الزہرۃؓ کا لقب تھا یعنی جو اِدھر اُدھر سے توجہ ہٹانے والی' پاک باز' باعصمت بچی تھی۔ یہ جو یکسوئی تھی' اس کے لیے یہ تھا کہ رات کے پچھلے پہر اٹھ' پھر قرآن کے اوپر اپنے پروگرام کے لیے غور وفکر کرو۔

مشرق سے مغرب تک ربوبیت عالمینی کا پروگرام

وہ پروگرام کیا ہے؟ وہ پروگرام مقامی نہیں ہے' لوکل نہیں ہے' وہ پروگرام ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (73:9) تیرے سامنے ایک عالمگیر انقلاب کا پروگرام ہے' مشرق ومغرب کا ربوبیت کا پروگرام ہے۔ اصل پروگرام کی ابتدا' قرآنِ کریم کی پہلی ہی سورۃ میں یوں آئی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (1:1) عالمگیر ربوبیت کا پروگرام ہے۔ اب اس پروگرام میں یہ دیا ہے کہ یہ حکومت کرنے کے لیے نہیں' قوت حاصل کرنے کے لیے نہیں' مملکتیں بنانے کے لیے نہیں' دوسروں کی سلطنتیں چھیننے کے لیے نہیں' یہ سارا پروگرام ربوبیت کا پروگرام ہے' اور ربوبیت مقامی نہیں۔ جب ہم مشرق ومغرب کہتے ہیں تو اس کے اندر یہی چیز آتی ہے' عالمگیریت اس میں ہوتی ہے' ساری دنیا اس کے اندر آتی ہے۔ اس زمانے میں اگر دیکھا جائے تو عرب کے مشرق اور مغرب کے اندر پوری آباد دنیا آ جاتی ہے لیکن خدا نے مشارق ومغارب بھی کہا ہے کہ یہ پروگرام عالمگیر ربوبیت کا پروگرام ہے: مشرق اور مغرب کے متعلق اقبالؒ (1877-1938ء) نے بھی کہا ہے:

مشرق سے ہو بیزار' نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا قرآنی مفہوم

یہ ربوبیتِ عالمینی کا پروگرام مشارق اور مغارب تک پھیلے گا' یاد رکھو! اور وہ کیا چیز ہے جس کی رو سے پھیلے گا؟ وہ چیز ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (73:9) یہ پروگرام قرآن کے نظام کا مرکز ہے' قرآن کی تعلیم کا مرکز ہے۔ یہ ایک ہی چیز ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (73:9) کائنات میں کوئی ایسی اتھارٹی نہیں ہے جس کی اطاعت کی جائے' جس کے قانون کو مانا جائے' جس کی حکومت کو مانا جائے۔ یہ اتھارٹی صرف اس ذات کی حکومت کو ہے جو الٰہ ہے' اس کے سوا کوئی اور اتھارٹی نہیں ہے۔ یہی ایک لفظ الٰہ کے معنی ہیں' یہی آج کی اصطلاح میں صحیح مفہوم ادا کرتا ہے' جس کو حقِ حکومت حاصل ہو' جس کو اتھارٹی حاصل ہو' جس کا کنٹرول ہو' اقتدار ہو۔ یہ ہے ماحصل' ملخص' قرآن

کی تعلیم کا یعنی مشرق و مغرب میں یہ تعلیم عام کرنا' اس قسم کا نظام قائم کرنا کہ جس میں حکومت کسی انسان کی نہ ہو' صرف خدا کی ہو' اور وہ کاہے کے لیے ہو؟ کہا کہ وہ حکومت ربوبیت عالمینی کے لیے ہو۔ الہ کے یہ معنی تھے۔

ملوکیت کے دَور کی قرآنی تفسیر

اب اس کے بعد جب دَورِ ملوکیت کی آپ کی یہ تفسیر آ گئی تو اس میں یہ کہنا کون برداشت کرسکتا تھا کہ کسی انسان کو حقِ حکومت حاصل نہیں ہے۔ وہ حق تو ملوکیت میں ختم ہو جاتا ہے' وہ حکومت خداوندی باقی ہی نہیں رہ سکتی' وہ انسان کی حکومت ہی نہیں ہے اور حقِ حکومت تو صرف خدا کو حاصل ہے۔ اس دور میں الہ کے یہ معنی کوئی نہیں کرنے دیتا۔ اس کے معنی کر دیئے گئے: ''وہ جو عبادت کے لائق ہے' جو پرستش کے لائق ہے' کوئی اور ہے ہی نہیں' عبادت اسی کی کی جائے گی۔

حکومت بادشاہوں کی اور پرستش خدا کی

اس طرح حکومت بادشاہوں کی اور پرستش خدا کی ہو گئی۔ اللہ کے معنی ہو گئے: ال الہٰ وہ جو صرف معبود ہے۔ معبود کے معنی ہو گئے: ''جس کی پرستش کی جائے۔'' عبادت کے معنی ہو گئے: ''پرستش کرنا' محکومیت اختیار کرنا نہیں۔'' انہوں نے ایک الہ کے معنی یوں کیے تو ملوکیت ہر قسم کے استبداد اور طعن و تشنیع سے بچ گئی۔ اب یہ ملوکیت دو قسم کی تھی: ایک وہ جو مملکت اور سلطنت کے اندر ان بادشاہوں کی اتھارٹی سے تھی' اور دوسری مسلمانوں کے عقائد میں' مسالک میں' نمازوں میں' روزوں میں' اس میں اتھارٹی مختلف فرقوں کے ملاؤں کو تھی' یہ دونوں الہ ہو گئے۔ اسی سے قرآن نے یہ کہہ کر منع کیا تھا کہ اِلٰـهَیۡنِ اثۡنَیۡنِ (16:51) یہ دو الہ نہ مان لینا۔ یہاں کہا کہ گھبراؤ نہیں کہ اس ایک کی حکومت کو ماننے سے یہ سارے حکمران خلاف ہو جائیں گے۔ ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَکِیۡلًا (73:9) تمہارا Protector' (محافظ) تمہارا سہارا' تمہارا قابلِ اعتماد سہارا' کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس پہ بھروسہ رکھ کر اپنے پروگرام پر چلو۔ تمہارا وہ انقلاب یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی اقتدار و اختیار کو ختم کر کے' اس کی جگہ ایک خدا کی حکومت قائم کر دی جائے' انسان قوانین خداوندی کے علاوہ کسی اور کا محکوم اور اطاعت گزار نہ ہو۔ اس لیے تو قانونِ خداوندی پر پورا پورا بھروسہ کر کے آگے بڑھتا چلا جا۔ عزیزانِ من! آگے ایک اور بات بھی اس کے ساتھ چلتی تھی۔ کیا بات ہے اس پروگرام کی! قرآنِ کریم نے کہا کہ وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا o وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَةِ وَ مَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا (73:10-11) اللہ اکبر! یہ بات ذرا لمبی ہے' اسے پھر آئندہ درس میں لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ط

❀......❀❀❀......❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

حضرات گرامی قدر!

میں پنجاب پبلک لائبریری، روزانہ جایا کرتا تھا۔ 1948ء کے وسط میں، گرمیوں کے دوران، میری نظر رسالہ طلوع اسلام پر پڑی۔ چونکہ میں عموماً سارے رسالوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالتا تھا۔ میں نے اس رسالہ کو بھی سرسری طور پر پڑھا۔ میرے خیال میں یہ جولائی کا مہینہ تھا۔ اسی رسالے میں علامہ محمد اسلم جیراجپوری صاحب کا مضمون ''میرا بچپن'' بھی طبع ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو یہ رسالہ میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن 1949ء کے شروع سے مجھے اس رسالہ سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور میں ہر ماہ کے شروع میں اس رسالہ کو ضرور تلاش کر کے، خاص طور پر اس کو پڑھتا تھا۔ 1949ء میں مجھے اس سے گہری وابستگی ہوگئی اور غالباً 50ء سے میں نے اس رسالہ کو خود خریدنا شروع کر دیا۔

انارکلی، نیلا گنبد، پر مولوی احمد حسن صاحب کا ایک بک سٹال تھا۔ یہ رسالہ وہاں آتا تھا۔ یہ رسالہ تو کراچی سے 3 یا 4 تاریخ کو آتا تھا۔ لیکن میں پہلی تاریخ سے ہی اس سٹال پر جانے لگتا تھا۔ اس وقت تک تحریک طلوع اسلام کی صرف چند کتابیں ہی طبع ہوئی تھیں۔ اس لئے سارا گذارا رسالہ پر ہی کرنا ہوتا تھا۔ ہر ایشو میں نئے نئے نظریات سامنے آنے لگے۔ قرآنی آیات کے قرآنی مفہوم معلوم ہوتے گئے۔ توہم پرستی اور خلاف قرآن عقائد کی نشاندہی ہوتی جاتی تھی۔ اسی لئے اس رسالہ کے ہر ایشو کو پڑھ کر بہت خوشی ہوتی تھی اور کئی روز تک رسالہ کا خمار چڑھا رہتا تھا۔ ہر رسالہ میں تحریک کی نئی کتاب کے طبع ہونے کا اعلان ہوتا تھا، اس سے اور بھی خوشی ہوتی تھی اور کتاب کا شدید انتظار رہتا تھا۔ انارکلی کے آخر میں پانوں والی گلی ہے وہاں ایک کتاب فروش بیٹھتا تھا جو پرانی کتابیں فروخت کرتا تھا۔ اس کے ہاں میں نے دیکھا کہ دہلی کے دور کے چند رسالے طلوع اسلام کے پڑے تھے۔ میں نے وہ رسالے اسی وقت خرید لئے اور اس سے مزید رسالوں کے فراہم کرنے کی درخواست کی۔ میں نے اس کو اس کی حسب خواہش قیمت

ادا کی تو اس نے مجھے دہلی دور کے سارے رسالے رفتہ رفتہ مہیا کر دیئے۔ مجھے اس ریکارڈ کے مطالعہ سے بہت فائدہ ہوا۔

رسالہ کے مسلسل مطالعہ سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس رسالہ کے روحِ رواں پرویز صاحب ہیں۔ ان سے ملنے اور ان کو دیکھنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ میرے کافی رشتہ دار اور ایک بڑے بھائی، کراچی میں رہتے تھے۔ میں ان سے ملنے کا عذر کر کے 1952ء میں کراچی گیا۔ مقصد میرا پرویز صاحب کو دیکھنا اور ان سے ملنا تھا۔ وہ اس زمانہ میں نیپئر بیریکس میں رہتے تھے اور سرکاری ملازمت میں اسسٹنٹ سیکریٹری، ہوم تھے۔ میں پوچھتا پچھاتا نیپئر بیریکس پہنچا۔ میری خوش قسمتی کہ پرویز صاحب کو اس دن معمولی سی حرارت تھی، اور وہ اس دن دفتر نہیں گئے تھے۔ چھوٹا سا کوارٹر، چند کمروں اور ایک برآمدے پر مشتمل کوارٹر تھا۔ کوارٹر کے باہر میدان تھا اور ایک بہت بڑا درخت تھا۔ میں برآمدے میں داخل ہوا، تو پرویز صاحب کے کمرے کے دروازے پر تو چک لٹکی ہوئی تھی۔ البتہ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور بالکل سامنے مولوی عبدالرب صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں مولوی عبدالرب صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ انہیں سلام کیا اور بتایا کہ میں لاہور سے آیا ہوں۔ طلوع اسلام کا قاری ہوں اور پرویز صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ ساتھ والے کمرے میں وہ بیٹھے ہیں آپ ان سے مل لیں۔ میرے لئے پرویز صاحب سے ملنا بہت بڑی بات تھی۔ میرے ذہن پر ان کا بہت بڑا رعب تھا، اس لئے میں اکیلے جاتے ہوئے تکلف محسوس کر رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ مولوی عبدالرب صاحب خود ساتھ چل کر مجھے ملا دیں لیکن مولوی عبدالرب صاحب نے مجھے حوصلہ دیا اور فرمایا کہ آپ خود ہی اجازت لے کر مل لیں۔ چنانچہ میں نے پرویز صاحب کے کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑے ہو کر، بلند آواز سے پوچھا کہ از ہر عباس حاضر ہو سکتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ تشریف لے آیئے۔ میں کمرے میں داخل ہوا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ یہ میری پرویز صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔

اس وقت تک طلوع اسلام کی بزم نہیں بنی تھیں۔ لیکن بزمیں بنانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ مجھے مولوی عبدالرب صاحب نے ہدایت فرمائی کہ میں لاہور میں عبداللطیف نظامی صاحب سے ملوں چونکہ وہ لاہور کی بزم بنا رہے تھے۔ میری تلاش کے باوجود مجھے وہ نہیں مل سکے۔ کچھ عرصہ بعد میں مدرستہ للبنات، لیک روڈ، کے ساتھ ملحقہ کتابوں کی دکان میں گیا۔ وہاں عربی کی کتب فروخت ہوتی تھیں۔ اس کے مالک مولوی عبدالحق عباس تھے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک صاحب مولوی عبدالحق عباس سے حجتِ حدیث پر گفتگو کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ نظامی صاحب تھے، اس طرح میرے مراسم نظامی صاحب

سے ان کے انتقال تک قائم رہے۔ لاہور میں کنونشن ہونا شروع ہوئیں۔ پہلی کنونشن چوہدری عبدالرحمٰن صاحب ''بہترین سوپ'' کے پروپرائٹر تھے' ان کے احاطہ میں ہوئی۔ یہ جگہ شہر سے دور لاہور Mint کے بالکل سامنے تھی۔ پہلی کنونشن کے شرکاء میں سے صرف چند آدمی اب زندہ ہیں۔ میرے علاوہ قدیر احمد خان بھائی اور ظہور صاحب جو دونوں راولپنڈی میں رہتے ہیں۔محسن صاحب کوئٹہ میں رہتے ہیں۔مس شمیم انور جو لاہور میں ہیں' زندہ ہیں۔ میرے خیال میں باقی سب حضرات فوت ہو گئے۔ شمیم انور میرے سے دوسال بڑی ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ہی اس کنونشن میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔

کنونشن کے فیصلے کے مطابق پرویز صاحب اپریل 58ء میں لاہور تشریف لے آئے۔ چونکہ موجودہ کوٹھی B-25' گلبرگ کی تعمیر اس وقت تک مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس کے سامنے کی کوٹھی' جس میں آج کل کاروں کا شوروم ہے' اس میں پرویز صاحب آ کر ٹھہرے۔ میں ان کی آمد سے پیشتر ہی اس کوٹھی کے چکر لگا رہا تھا' تو جب پرویز صاحب تشریف لائے' تو میں اتوار کے روز حاضر ہو گیا۔ محترم نظامی صاحب اور صرف دو یا تین حضرات موجود تھے۔ نظامی صاحب نے میرا تعارف کرایا۔ اور میں نے اپنی کراچی والی ملاقات کا حوالہ دیا۔ اس روز ہم چند لوگوں نے دوپہر کا کھانا ان کے گھر ہی کھایا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پرویز صاحب B-25 میں منتقل ہو گئے اور درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد کے واقعات آپ سب حضرات کے علم میں ہیں۔ البتہ پرویز صاحب لاہور منتقل ہونے سے پہلے جب بھی کسی کام لاہور آتے تو ان کی تقریر ہوتی تھی۔ ایسی کئی تقاریر ہوئیں ان کا تذکرہ کرنے سے تحریر لمبی ہو جائے گی۔ اس لئے ان کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔

میں قرآنی درسوں میں مسلسل شرکت کرتا رہا۔ کچھ عرصہ میری پوسٹنگ لاہور سے باہر رہی اور میں درس میں حاضر نہیں ہو سکا۔ درس کی حاضری کی صورت میں میں پرویز صاحب کو کتابیں فراہم کرتا تھا۔ میں تین چار لائبریریوں کا ممبر تھا اور کچھ کتابیں ہر ماہ انارکلی کے کتب فروشوں اور کباڑیوں سے خریدتا تھا۔ ہر اتوار کو ہی کچھ کتابیں پرویز صاحب کو دے دیتا تھا اور اگلے اتوار کو واپس لے لیتا تھا۔ میری خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ اس کتاب پر تبصرہ فرما دیں وہ میرے لئے بہت کارآمد ہوتا تھا۔ تبصروں کے سلسلے میں بہت دلچسپ واقعات بھی رونما ہوئے۔ ان واقعات کو اگر موقع ملا تو کسی مضمون میں پیش خدمت عالی کر دوں گا۔ وہ بہت دلچسپ ہوں گے۔

اسی طرح وقت گذرتا گیا کہ 1984ء کے آخر میں پرویز صاحب علیل ہوئے اور وہ جنرل ہسپتال لاہور میں داخل ہو گئے۔ میں دو یا تین مرتبہ عیادت کے لئے حاضر

ہوا جب وہ ہسپتال سے واپس آ کر کوٹھی میں واپس آ گئے' تب بھی میں چند مرتبہ حاضر ہوا۔ اس وقت وہ باہر کے چھوٹے کمرے میں آ گئے تھے اور ڈاکٹر بٹالوی صاحب کا بیٹا سلیم ان کے پاس حاضر رہتا تھا۔ اس زمانہ میں مارشل لاء بھی تھا اور الیکشن بھی ہو رہے تھے۔ میں کافی دیر بیٹھا رہا اور الیکشن کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ وہ بہت دبلے ہو گئے تھے۔ چہرہ بالکل مرجھا گیا تھا اور عینک بھی نہیں لگا رکھی تھی۔ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ یہ میری آخری ملاقات ہے' تو شاید میں وہاں ہی ٹھہرا رہتا اور وہاں سے کہیں نہ جاتا۔

جس رات کو وہ فوت ہوئے۔ اس دن میری طبیعت کچھ معمولی سی خراب تھی اور میں اپنے دفتر نہیں گیا تھا۔ میرے دفتر سے میرے ایک دوست نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ بابا جی زیادہ بیمار ہیں اور کسی ہسپتال میں داخل ہو گئے ہیں۔ میں نے 25 بی' گلبرگ فون کیا اور وہاں سے معلومات حاصل کیں کہ بابا جی میو ہسپتال میں داخل ہیں۔ مغرب کے وقت میں ان کو دیکھنے کے لئے گیا۔ وہ بالکل بے ہوش پڑے تھے اور ان کا سانس اکھڑ چکا تھا۔ ڈاکٹر بٹالوی صاحب ایک داماد' اس وقت ان کو Attend کر رہے تھے۔ میری موجودگی میں برادر محترم جناب ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب بھی تشریف لائے۔ میں بابا جی کی زندگی سے بالکل مایوس ہو کر' سخت غم کی حالت میں' افتان و خیزاں اپنے گھر آیا۔ میرا خیال ہے کہ صرف پندرہ منٹ کے بعد ہی برادر محترم شیخ اللہ دتہ صاحب کا فون آیا کہ بابا جی فوت ہو گئے۔ شیخ اللہ دتہ صاحب نے بابا جی کی فون کی ڈائری نکالی تھی اور اس ڈائری کی مدد سے وہ لوگوں کو اطلاع کر رہے تھے۔ میرا نام چونکہ 'A' کے خانہ میں تھا' اس لئے مجھے شروع میں ہی فون کر دیا گیا تھا۔ خبر ملنے پر میں چند منٹ تک تو بالکل مبہوت بنا رہا۔ اس کے بعد میں نے اپنے پر قابو کیا اور فوراً گلبرگ پہنچ گیا۔ اس وقت تک چند لوگ ہی آئے تھے اور سارا کام برادر محترم شیخ اللہ دتہ صاحب کر رہے تھے۔

پرویز صاحب اور تحریک طلوع اسلام کا جو مقام ہے اس وقت پاکستان کے عام مسلمان اور ہم لوگ خود جو اس تحریک سے وابستہ ہیں اس کا صحیح ادراک اور اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس کے مقام کا صحیح ادراک آنے والا مورخ اور آئندہ دور کے بڑے بڑے دانشور ہی کریں گے۔ ہم جیسے عام لوگوں کے بس کی یہ بات نہیں کہ ہم اس تحریک کا صحیح مقام متعین کر سکیں۔ تحریک طلوع اسلام شخصیت پرستی کے خلاف ہے' اس کے باوجود اس بات کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ آئندہ کے ادوار میں قرآن کریم کی وہی تعلیم فروغ یا دوام حاصل کرے گی جو پرویز صاحب مرحوم اور تحریک طلوع اسلام نے پیش کی ہے۔ اس دور سے پیشتر تک قرآن کی جو تعلیم ہماری پیشوائیت پیش کرتی چلی آ رہی ہے

وہ ازخود‘ علوم و معارف کے ارتقاء کی وجہ سے ختم ہوتی چلی جائے گی۔ ہماری پیشوائیت کی پیش کردہ تعلیم خود قرآن کے خلاف ہے‘ اس لئے وہ موجودہ اور آئندہ کے علوم کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ تحریک طلوع اسلام کے عطا کردہ نظریات چونکہ خالص وحی (قرآن کریم) پر مبنی ہیں‘ اس لئے ان میں یہ صلاحیت ہے کہ یہ ہمیشہ عقل و علم کا مقابلہ کر سکیں۔

تحریک طلوع اسلام کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس تحریک نے صدر اول کے بعد پہلی مرتبہ ’’مذہب‘‘ کی تردید کر کے ’’دین‘‘ کا تصوّر ابھار کر پیش کیا۔ ہم مسلمان‘ مذہب اور انفرادی پرستش میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مذہب اور انفرادی پرستش کا لازمی و منطقی نتیجہ اس دنیا سے نفرت اور ذلیل و خوار ہونا ہے۔ تحریک طلوع اسلام نے مذہب کی تردید کر کے‘ دین کا تصور پیش کر کے‘ مسلمانوں کے زوال کے آگے بند باندھ دیا۔ اب یہ ہم مسلمانوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ ہم پیشوائیت کا پیش کردہ مذہب اختیار کر کے مزید زوال پذیر ہوں یا دین کا اتباع کر کے‘ اس دنیا و آخرت میں عوج و اقتدار حاصل کریں۔ خوب یاد رکھئے کہ دین کے اتباع سے دنیاوی مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ مذہب کے اتباع سے دنیا سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ آپ دنیا کے تمام مذاہب پر نظر دوڑائیں کوئی مذہب بھی دنیاوی مقاصد کے حصول کا ادعا نہیں کرتا۔

قرآن کریم دین ہونے کی وجہ سے دنیاوی اقتدار کا وعدہ کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اتباعِ دین سے معاشرہ میں ہر شخص کو روزی فراہم ہو گی۔ اتباع دین سے قوت و اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ دوقومی نظریہ پر عمل کرنا‘ اتباع دین کا ہی تقاضہ تھا۔ اس اتباع دین سے ہمیں اتنا بڑا ملک حاصل ہوا۔ اگر ہم ’’علماء کرام‘‘ کے خیال کے مطابق مذہب کے پیرو رہتے اور کانگریس کے متحدہ قومیت کے اصول کو اختیار کرتے تو ہم اتنے بڑے خوبصورت ملک سے محروم رہتے اور ہندوستان میں نہایت مفلوک الحال رہتے۔

ہمارے ہاں تیرہ صدیوں میں ہزاروں ریفارمرز اور مصلحین پیدا ہوئے ہیں۔ امام غزالی‘ ابن تیمیہ‘ ابن قیم‘ حضرت مجدد الف ثانی‘ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اور بالکل آخر میں‘ امت مسلمہ‘ ان سب حضرات نے مسلمانوں کے زوال کو روکنے اور اس دنیا میں خوش حال اور مقتدر ہونے کی کوششیں کیں لیکن افسوس اور اس سے زیادہ سخت حیرت ہوتی ہے کہ یہ بڑے بڑے علماء و دانشور مذہب کے دائرہ سے باہر نہیں نکلے۔ یہ مذہب کے اندر رہ کر اصلاح کرتے رہے۔ ان میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوا کہ مذہب میں اصلاح ہو ہی نہیں سکتی اور یہ کہ دنیا میں اقتدار اور اچھا مقام حاصل کرنا‘ مذہب کا موضوع ہی نہیں ہے۔ مذہب دنیاوی مقاصد حاصل ہی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تو دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ اب جبکہ ان

تمام حضرات کو گذرے عرصہ گذر گیا ہے۔طلوع اسلام کی تعلیم کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تمام مساعی بالکل غلط سمت میں تھیں اور وہ تمام کوششیں کامیاب ہو ہی نہیں سکتیں تھی۔

ہماری پیشوائیت کی ایک بڑی خامی یہ تھی کہ ہماری پیشوائیت نے قرآن فہمی کے طریقے ہی غلط اختیار کئے۔ پہلے شانِ نزول کا نظریہ وضع کیا کہ ہر آیت کے شانِ نزول سے اس آیت کو وابستہ کر دیا۔قرآن کریم میں کوئی حک وظن کی گنجائش نہیں ہے یہ سراسر حق ہے۔لیکن یہ سارے شان نزول ظنی اور مشکوک ہیں۔پھر آیات کی تفسیر میں روایات احادیث سے مدد لینی شروع کر دی اور عملاً صورت یہ ہوئی کہ آیت تو قرآن سے لے لی اور اس کی تفسیر کے لئے احادیث کے ذخیرے چھاننے شروع کر دیئے۔ان احادیث میں سے اکثر و بیشتر وضعی ہوتی تھیں۔ چنانچہ شان نزول اور احادیث کے ذریعے آیات کی تفسیر کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت بڑی تعداد میں خلاف قرآن عقائد تفاسیر میں در آئے اور قرآن کریم کے اصل نظریات تفاسیر سے خارج ہونے لگے اور پھر یہ ہی غیر قرآنی بلکہ خلاف قرآن عقائد ہم مسلمانوں میں پھیلتے چلے گئے۔ تحریک طلوع اسلام نے قرآن فہمی کے طریقے ہی بدل کر رکھ دیئے۔اس نے قرآن کی تفسیر کو قرآن سے کرنے کی ابتدا کی' اور خارجی سہاروں کو بالکل متروک کر دیا۔اس طریقہ سے تفسیر کرنے سے قرآن کریم کے خالص نظریات ہمارے سامنے آتے چلے گئے اور قرآنی آیات اپنا مدعا و مفہوم خود بیان کرنے لگیں اور خارج از قرآن نظریات کٹتے چلے گئے۔

ایک ہزار سال پیشتر کے وضع کردہ قوانین جنہیں ہمارے ہاں فقہ کا نام دیا جاتا ہے' ہماری پیشوائیت نے ان کو غیر معمولی اہمیت دی۔ان کو وحی الٰہی کی طرح غیر متبدل قرار دے دیا گیا۔ یہ قوانین مسلمان بادشاہوں کے زیرسایہ اوران کے ایماپر وضع کئے گئے تھے۔جن کا زیادہ تر حصہ قرآن کے خلاف ہے۔ملوکیت تو خود اسلام کے خلاف ہے۔ بنوعباس کے دور کے یہ خلفاء خود تلوار کے زور پر مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہو گئے تھے' بنوعباس کی حکومتیں اسلامی حکومتیں نہیں تھیں' نہ ہی ان کے وضع کردہ قوانین اسلامی قوانین تھے۔ وہ ان حکومتوں کے وقتی قوانین تھے۔ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے تحریک طلوع اسلام ان قوانین کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتا' تحریک طلوع اسلام کا نظریہ تو یہ ہے کہ جب تک مسلمان' روایات و فقہ کو نہیں چھوڑیں گے وہ کسی حال میں بھی ترقی نہیں کر سکتے۔ یاد رکھئے کہ ہر اسلامی حکومت کے قوانین اس کی شریعت اور اس کا فقہ ہوتے ہیں' سابقہ حکومتوں کے قوانین آئندہ آنے والی حکومتوں کے لئے شریعت یا فقہ نہیں بن سکتے۔

تحریک طلوع اسلام وہ تحریک ہے کہ جس نے

صدر اسلام کے بعد اسلام کو اپنی اصل شکل میں پیش کیا لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارے علماء کرام نے اس تحریک کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں اور بغیر اس کی اہمیت کا ادراک کئے' اس کی مخالفت شروع کر دی لیکن یہ کوئی عجیب یا نئی بات نہیں ہے کیونکہ جس شخص نے بھی قرآن کی دعوت دی لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ رسول اللہ ﷺ سے لے کر' کہ جو قرآن کریم کے سب سے پہلے داعی تھے' پرویز صاحب تک' کہ جو اس زمانہ میں قرآن کے سب سے بڑے داعی ہیں' یہی صورت رہی ہے کہ قرآن کے سب داعین کی سخت مخالفت ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ ان کی دعوت مبنی برحق ہوتی تھی' اس لئے حق نے ان کا ہمیشہ ساتھ دیا ہے۔

آخر میں آپ سب حضرات سے یہ درخواست ہے کہ ہم سب خالص قرآنی تعلیم کے داعی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس قرآنی تحریک کا ساتھ دیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کو پھیلانے اور دین کے تمکن کے لئے حد درجہ کوشش کریں کیونکہ غیر اسلامی حکومت میں زندگی بسر کرنا ناجائز ہے۔ غیر اسلامی حکومت کے ماتحت زندگی بسر کرنے والا ہر فرد مجرم ہوتا ہے' اور اس کے لیڈر اکابر مجرمین ہوتے ہیں۔ غیر اسلامی حکومت میں کمائے ہوئے رزق کا ایک ایک لقمہ حرام ہوتا ہے۔ غیر اسلامی نظام میں اللہ و رسول کی اطاعت کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کے نزدیک تو مومن وہ ہے جو صرف قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ واحد' مکمل اور آخری ضابطۂ حیات خیال کرے۔ اس لئے ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں قرآن کے عطا کردہ نظام خداوندی کے قیام کے لئے پوری پوری کوشش کرے' وہ جس ملک اور مقام میں بھی ہو وہیں سے اس جدوجہد کو شروع کر دے کیونکہ نظام خداوندی کسی مقام یا کسی دور سے بھی مختص نہیں ہے۔ اس کی پوری پوری کوشش یہی ہو کہ تمام باطل نظام ہائے حیات کو جڑ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دے اور اللہ کی زمین پر صرف قرآن کے قانون اور نظام کو جاری کر دے۔ اس لئے کہ اسی نظام کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے از بسکہ ضروری ہے کہ ان کا دیا ہوا نظام جاری کریں۔ جو لوگ اللہ کے نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر رضامند ہوں وہ اللہ و رسول کے باغی اور نافرمان ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی نماز و روزہ کے پابند ہوں۔

ضرورتِ رشتہ

ہماری ایک بیٹی خوب سیرت' خوب صورت' ایم۔اے انگلش اور دوسری بیٹی خوش خصال وخوش جمال ایم۔اے فائن آرٹس رہائش لاہور کے لئے ہم مزاج رشتوں کی ضرورت ہے۔ ضرورت مند حضرات سے گذارش ہے کہ وہ درجِ ذیل رابطہ نمبرز پر رابطہ فرمائیں:

موبائل فون: 0300-9432308, 0321-9432308

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

’’آئینۂ پرویزیت اور’’علماء‘‘ کے محترم غلام احمد پرویز پر کفر کے فتویٰ‘‘ پر تبصرہ

یہاں محترم عبدالرحمٰن کیلانی کی تصنیف ’’آئینہ پرویزیت اور علماء کا محترم پرویز پر کفر کے فتویٰ کا مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اول الذکر مکتبہ السلام لاہور 2007ء کی نو سو پندرہ بڑے سائز کے صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب کی شکل میں میرے سامنے ہے۔ دوئم پرویز صاحب کے بارے میں علماء کا متفقہ فتویٰ‘ شائع کردہ شعبہ تصنیف‘ مدرسہ عربیہ اسلامیہ‘ کراچی کا 356 صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے۔ اول الذکر زیر تبصرہ کتاب میں محترم پرویز صاحب کو جیسا کہ کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے برصغیر میں فتنہ انکار حدیث کے سب سے بڑے ترجمان اور نمائندہ کا درجہ دیتے ہوئے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس میں یہ دلچسپ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ لوگ اس کتاب کو جنون کی حد تک پسند کرتے ہیں۔

ادارہ طلوع اسلام کے علم میں ہے کہ نہ صرف عام لوگ بلکہ تعلیم یافتہ اور شعبہ تعلیم سے وابستہ طبقہ کی اکثریت بھی کفر کے فتویٰ اور منفی تشہیر کی وجہ سے براہ راست پرویز صاحب کے لٹریچر کا مطالعہ قلیل تعداد میں کر رہے ہیں۔ اس میں بزم ہائے طلوع اسلام کی کوتاہی بھی ایک وجہ ہے اور کچھ معاشرہ میں تحقیق علم اور حق کی جستجو کی محنت میں تساہل پسندی کا رجحان بھی ہے۔ بہرحال وجوہات جو کچھ بھی ہوں‘ ہماری بدقسمتی ہے کہ اکثریت محترم پرویز صاحب کے موقف سے آگاہی مارکیٹ میں دستیاب انہی گھٹیا علمی معیار کی کتب سے حاصل کرتے ہیں۔ مزید بدقسمتی یہ ہے کہ ان میں تعلیم سے وابستہ طبقہ اسی آگاہی کو اسلام کے جدید نظریات کے حوالے سے تعلیمی نصاب میں شامل کر کے اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ زیر تبصرہ کتاب پر تبصرہ کر کے محترم پرویز صاحب کے صحیح موقف کو سامنے لایا جائے۔ اس سے مصنف کی شکایت بھی رفع ہو جائے گی کہ طلوع اسلام کے پاس ان کے اعتراضات کے جواب نہیں اور اسی لئے وہ اتنا عرصہ

گذر جانے کے باوجود' ان کی طرف سے ابھی تک ان کے اعتراضات کے جواب دینے کی کسی کو توفیق نہیں ہوئی۔

پوری کتاب کا جواب دینے کے لئے نہ تو مجلّہ طلوع اسلام کے محدود صفحات میں گنجائش ہے اور نہ ہی فالتو عقل' طلوع اسلام کی پالیسی بھی یہی ہے کہ وہ مہمل اور بے معنی بحث میں نہیں الجھتا ہے۔ بہرحال قارئین کا کتاب کی قابلیت (worth) کا اندازہ لگانے کے لئے ہم نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے عنوان سے روایات کے دفاع میں زیر تبصرہ کتاب میں دیئے گئے دلائل پر تبصرہ کرنے کا انتخاب کیا ہے۔ یہ دلائل انہوں نے پرویز صاحب کے اس موقف کو رد کرتے ہوئے دیئے ہیں' جن میں انہوں نے روایت کے متن کے مطالعہ ہی سے قرآن کی خلاف ہونے کی بنا پر انہیں رسول اللہﷺ کی بیان کردہ تفسیر ماننے سے اپنی تصنیف مقام حدیث میں انکار کر کے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اس ضمن میں آغاز محترم پرویز صاحب نے بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ کو ستانے کے سلسلہ میں بخاری میں درج تفسیر سے کیا ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل

سورہ احزاب کی آیت میں کہا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا (33:69)۔

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی۔ سو اللہ نے اسے اس سے بری کر دیا جو وہ کہتے تھے۔

اذیت کی تفاصیل

اس ضمن میں مزید وضاحت کی کہ قرآن نے اذیت کی تفاصیل بھی بتائی ہیں۔ ان میں چند ایک کی تفصیل یوں ہے۔

(1) حضرت موسیٰؑ چند دنوں کے لئے طور پر تشریف لے گئے تو انہوں نے گؤ سالہ کی پرستش شروع کر دی۔ (طٰہٰ 20:86)۔

(2) حضرت موسیٰؑ نے خدا پر ایمان لانے کی تاکید کی تو جواباً کہنے لگے کہ: ہم تیری بات نہیں مانیں گے جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ (بقرہ 2:55)۔

(3) جب ارض مقدس پر قبضہ کے لئے جنگ کرنے کے لئے کہا گیا تو جواب دیا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ اور ان لوگوں سے جنگ کرو۔ جب اس طرح یہ لوگ (وہاں کے قابضین) وہاں سے نکل جائیں تو ہم آ جائیں گے۔ ہم یہاں بیٹھے انتظار کرتے ہیں۔ (مائدہ 5:24)۔

قوم کی ان بے جا خواہشات اور ناروا شکایات سے حضرت موسیٰؑ کو اذیت پہنچتی تھی۔ اس لئے انہوں نے قوم سے مخاطب ہو کر شکایت کی کہ:

يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي

رَسُولُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ (الصّف 61:5)۔

اے میری قوم! تم مجھے اس طرح اذیت کیوں دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

مقامِ حدیث میں اس بات کی بھی وضاحت ملتی ہے کہ اس (اذیت دینے) سے نبی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خدا اسے تمام باتوں سے محفوظ رکھتا اور شرف و مجد کے بلند ترین مقام پر پہنچا دیتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بخاری نے رسول اکرم ﷺ سے منسوب یوں روایت بیان کی ہے۔

بخاری کی تفسیر

بخاری میں ہے:

''ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل برہنہ غسل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھا جاتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کیا کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا کہ واللہ موسیٰ کو ہم لوگوں کے ہمراہ غسل کرنے سے سوا اس سے کچھ مانع نہیں کہ وہ فتق میں مبتلا ہیں۔ ایک دن اتفاق سے موسیٰ غسل کرنے گئے اور اپنا لباس پتھر پر رکھ دیا۔ وہ پتھر ان کا لباس لے بھاگا اور حضرت موسیٰ بھی اس کے تعاقب میں یہ کہتے ہوئے دوڑے کہ ''ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر'' (اے پتھر میرے کپڑے دے دے اے پتھر میرے کپڑے دے دے) یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کی طرف دیکھ لیا اور کہا واللہ موسیٰ کو کچھ بیماری نہیں ہے (اور پتھر ٹھہر گیا) موسیٰ نے لباس لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (حضرت موسیٰ) کی مار سے چھ یا سات نشان (اب تک باقی) ہیں''۔ (بخاری' جلد اول' ترجمہ نور محمد' کارخانہ تجارت کتب' کراچی' ص76)۔

بخاری کی اس روایت کو درج کرنے کے بعد محترم پرویز صاحب نے التجا کی ہے کہ آپ اس تفسیر کو بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ تفسیر ہوسکتی ہے؟ ان کا اس استدعا سے مدعا یہی ہے کہ اگر آپ اسے قرآن کے خلاف پائیں تو ان کو رسول ﷺ سے منسوب قول کا درجہ بے شک دے دیں لیکن قولِ رسول ﷺ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

زیر تبصرہ کتاب میں مصنف نے بخاری کی اس روایت کو قول رسول ﷺ کے درجہ میں رکھ کر اس کے دفاع میں درج ذیل دلائل دیئے گئے ہیں۔ ان میں محترم پرویز صاحب کے موقف کو رد کیا گیا ہے۔

(1) محترم پرویز صاحب نے بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ کو ایذائیں دینے کا ذکر تو کر دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اللہ

نے انہیں اس ایذاؤں سے بری کیونکر کیا۔ اللہ تعالیٰ خود کہتے ہیں کہ اللہ نے اس ایذا سے نجات دی جو وہ (بنی اسرائیل) کہتے تھے۔

(2) آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایذا موسیٰ سے کچھ مانگنے' طلب کرنے' یا خواہش کرنے کے متعلق نہ تھی بلکہ وہ موسیٰ کی ذات کے متعلق کچھ کہتے تھے جس سے حضرت موسیٰ کو تکلیف پہنچتی تھی۔

(3) محترم پرویز صاحب آیت مذکورہ درج کرتے وقت اس کا آخری حصہ ''وکان عندالله وجيهاً'' چھوڑ گئے۔ وجیہ وہ آبرو والا شخص ہوتا ہے جس کے متعلق لوگوں کو کچھ اعتراض ہوتو بھی وہ اس کے منہ پر کچھ نہ کہہ سکیں اور ادھر ادھر باتیں کرتے پھریں۔ لہٰذا وجیھاً کا لفظ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان باتوں (جسم میں فتق کی بیماری کی غیبت) سے' موسیٰ کو تکلیف ہوتی تھی۔ ایسی ہی باتوں سے اللہ نے مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کے متعلق پھیلانے سے پرہیز کرنے کو کہا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے درج بالا دلائل کا تجزیہ و تبصرہ

(1) جہاں تک مصنف کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ محترم پرویز حضرت موسیٰ کی بنی اسرائیل سے نجات کی صورت بیان کرنے میں ناکام رہے ہیں' تو اگر وہ بغایت مطالعہ کرتے تو دیکھ لیتے کہ انہوں نے وضاحت کی ہے کہ ان سزاؤں سے نبی کا تو کچھ نہیں بگڑتا۔ خدا رسول کو ان تمام باتوں سے محفوظ رکھتا اور شرف و مجد کے بلند ترین مقام پر پہنچاتا ہے۔ اس وضاحت کے باوجود مصنف کا یہ اعتراض کرنا تعجب کا باعث ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ اگر انہیں نجات کی یہ صورت قبول کرنے میں دشواری ہے' تو وہ اس کے لئے دلائل فراہم کرتے۔

(2) اپنی دوسری دلیل میں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انسانی ذات کو اس کے جسم تک محدود رکھنے کے قائل ہیں۔ جسم تو انسان کی طبیعی شناخت ہے۔ انسان کے مقام پر انسانی ذات کا تعلق اس کی سیرت (Character) سے ہوتا ہے' جو انسانی حواس سے ماورا حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن نے اسے نفس کا نام دیا ہے اور علمی میدان میں یہ نفسیات کا موضوع ہے۔ مصنف کے لئے چونکہ علمی مباحث بے معنی ہوتے ہیں' اس لئے علم النفسیات کی رو سے اس پر ہم روشنی ڈال کر ان کو خفا نہیں کرنا چاہتے۔ مصنف کو البتہ یہ جان لینا چاہئے کہ انسانی ذات میں اس کے جسم کی اہمیت اوزار (Tools) سے زیادہ نہیں ہے۔ لہٰذا انہیں تندرست حالت میں (Fit) رکھنے کی انسان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ انسانی جسم کی تخلیق میں انسانی اعمال و افعال کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا' جس پر اس کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔

انسانی ذات (نفس) البتہ اپنا اختیار و ارادہ رکھتی ہے' جو اسے خدا کی طرف نفخ روحہٖ کی بدولت بطور

صلاحیت کی صورت میں عطا کی گئی ہے۔ اس صلاحیت کی تکمیل (Actualise) کرنا خود انسان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ انسان اپنی صلاحیت کی بنا پر ذات کی پختگی (Integration) یا فرسودگی (Disintegration) دونوں صورتوں کا حصول اپنے اعمال سے کرتا ہے۔ اس کی تخلیق میں اس کے وہ اعمال شامل ہوتے ہیں' جن میں اس کا اپنا علم اور اختیار و ارادہ ہو۔ ان اعمال کے مجموعہ کو ہی انسانی ذات کا نام دیا گیا ہے جو غیر مرئی ہونے کی بنا پر مشاہدہ کی رسائی سے ماوراء ہیں۔ ان اعمال کی ذمہ دار بھی انسانی ذات ہوتی ہے اور جوابدہ بھی۔ شکایات اور توقعات بھی اسی سے ہوتی ہیں' جو اپنے اعمال کا ذمہ دار بھی ہو اور جوابدہ بھی۔ ایسے اعمال جن سے نوع انسانی کو فائدہ ہو' ان سے خوشی اور جس میں نقصان' اس سے اذیت ملتی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں جس اذیت کا ذکر ہے' وہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کے لئے محسوس کرتے تھے جن سے وہ اپنا اور دوسروں کا نقصان کر رہے تھے۔ کاش مصنف نبی کے مقام سے آگاہ ہوتے۔ نبی اپنی ذات کے لئے لوگوں سے کسی ستائش یا حیلہ کا روادار نہیں ہوتا' بلکہ اس کے پیش نظر انہی کا مفاد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے جسمی عیب کی باتوں سے ان کو اذیت پہنچانا بے معنی اور مہمل بات ہے۔

اس قسم کی باتیں تورات میں شامل ہوگئی ہیں' جس میں انسانی کلام کی آمیزش سے تحریف ہو چکی ہے۔ علم کے لحاظ سے وہ زمانہ ابھی تک بلوغت تک رسائی حاصل نہیں کر سکا تھا' اس لئے ہر قسم کی خرافات ان میں جگہ پانے میں کامیاب ہوگئی۔ علمی سطح کا مقام آج سے ہزار سال پہلے ابھی اتنا بلند نہیں ہوا تھا' اس لئے بدقسمتی سے ایسی باتیں روایات کی شکل میں ہمارے ہاں بھی آ گئی ہیں۔

(3) وجیہہ کے مفہوم میں آبرو کے ساتھ غیبت کی لازمی شرط کو شامل کرنے کا' زیر تبصرہ کتاب میں کسی مستند لغت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لازمی احمقانہ شرط خود مصنف کی اختراع ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ بخاری کی بیان کردہ روایت کے دفاع میں اپنی وابستگی دکھانے کے لئے کسی بھی سطح پر جانے کے لئے آمادہ ہیں۔ وجیہہ کے معنیٰ' آبرو بغیر کسی' شرط کے کئے جاتے ہیں۔ وہ غیبت کی محتاج نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں تو آبرو میں غیبت کی لازماً شمولیت کی آلودگی' خود آبرو ہی کو بے آبرو کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اس بھونڈی شرط سے ملوث بے بنیاد دعویٰ کی بنا پر محترم پرویز صاحب کا بیان کردہ مفہوم نامکمل اور غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔

زیرِ تبصرہ کتاب کی آخری دلیل

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے تفسیر بالروایت میں علامہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے اعتراض کا مطالعہ کر لیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: اس روایت میں غور کرنے کے

قابل یہ امر ہے کہ راوی قسم کھا کر بیان کرتا ہے کہ پتھر میں ان کی ضرب کے نشانات ہیں۔ اس حزم و یقین کے ساتھ گویا اس نے خود مارتے دیکھا ہے اور یہ اس کے سچے ہونے کی نشانی نہیں ہے۔ (کیونکہ یہ واقعہ ان کی پیدائش سے ہزار برس پہلے کا ہے)۔ علاوہ بریں پتھر بے جان‘ بے ارادہ اور غیر محرک شے ہے۔ اس کا کپڑوں کو لے کر بھاگنا ایک معجزانہ امر ہوگا‘ جو منجانب اللہ ہی ہوسکتا ہے اور یہ چیز حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم رسول پر مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر اس کو لٹھ مارنے کے کیا معنی؟ روایت میں پتھر کے دوڑنے کے عمل سے مصنف خود بھی پوری طرح متفق نہیں ہو رہے۔ لہٰذا وجہیہ کے مفہوم میں تبدیلی لانے کی اختراع کو روبہ عمل لاتے ہوئے‘ وہ یہاں بخاری کی بیان کردہ روایت کو نئے معنی پہناتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ: ”اب رہی یہ بات کہ انہیں (محترم پرویز صاحب کو) بخاری کی اس تفسیر میں کیا بات کھٹکتی ہے؟ تو یہ واضح ہے کہ اس واقعہ میں پتھر کے کپڑوں سمیت دوڑنے کی بات انہیں گوارا نہیں تاہم جو لوگ معجزات کے منکر ہیں انہیں بھی بخاری میں مندرجہ تفسیر راس آسکتی ہے۔ وہ یوں کہ حجر کے معنی پتھر بھی ہیں اور گھوڑی بھی (منجد) اس طرح واقعہ یوں ہوگا (مصنف کے تخیل کی داد بھی دیں) کہ حضرت موسیٰؑ گھوڑی پر سوار تھے۔ کسی تنہائی کے مقام پر نہانے لگے۔ تو گھوڑی کو کھڑا کیا اور اس پر ہی اپنے کپڑے رکھ دیئے۔ جب نہانے کے بعد کپڑے لینے آگے بڑھے تو گھوڑی دوڑ پڑی اور حضرت موسیٰؑ توبی یا حجر کہتے اس کے پیچھے دوڑے۔ تاآنکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کو ننگے بدن دیکھ لیا کہ آپ بالکل بے داغ ان کی مزعومہ بیماری سے پاک ہیں۔ اس طرح اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی باتوں کی ایذا سے بری کر دیا۔ رہی یہ بات جو حضرت ابوہریرہؓ قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ پتھر پر مار کے چھ یا سات نشان ہیں تو یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا قول ہے ارشاد نبوی نہیں کہ اس کا ماننا حجت ہو)۔

آخری دلیل کا تجزیہ وتبصرہ

مصنف نے یہاں پتھر کے کپڑوں سمیت دوڑنے کے عمل میں کسی قسم کا اعتراض کرنے کے حق میں نہیں۔ اس کے باوجود وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس قسم کے معجزات کے منکر محترم پرویز جیسے لوگوں کے لئے گنجائش نکالتے ہوئے فرمایا کہ: ”(روایت میں درج) حجر کے معنی پتھر بھی ہیں اور گھوڑی بھی۔“ لہٰذا انہوں نے اس روایت میں ہدایت کی ہے کہ پتھر کی بجائے یہاں حجر سے گھوڑی مراد لیا جائے اور اسے کپڑوں سمیت دوڑتے دکھایا جائے۔ منکرین معجزات کے لئے انہوں نے کمال مہربانی سے گنجائش تو نکال لی‘ لیکن روایت کے آخر میں پتھر پر مار کے چھ یا سات نشان کا ذکر بھی شامل ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی صوابدید کا اختیار استعمال کرتے ہوئے یہاں حجر کا معنی پتھر

ہی لیا ہے۔ پھر شاید اپنے اس نقطہ نگاہ سے وہ خود مطمئن نہیں ہو سکے' اس لئے فرماتے ہیں کہ پتھر پر نشان کا ابو ہریرہ کا اپنا قول ہے ارشاد نبویؐ نہیں کہ اس کا ماننا حجت ہو۔

مصنف نے واقعی یہاں جرأت کا مظاہرہ کر کے مکتب ملا کی روش کے خلاف ابو ہریرہؓ جیسے صحابی کی خدا کی قسم اٹھا کر شہادت میں دیتے ہوئے قول کو حجت ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ انکار صرف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ روایت کے اس حصہ میں انہوں نے ایک صحابی نے اس شہادت کو اپنی جانب سے پیش کیا اور اسے رسول ﷺ سے منسوب نہیں کیا۔ اس کے برعکس قرآن صحابہ کا تعارف قرآن میں بطور ''مومنین حقا'' کرارہا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ مصنف نے اپنی اس دلیل سے ٹھوکر کھائی ہے۔ البتہ یہ دلیل دیتے ہوئے وہ اس دور کی نمائندگی کرنے کا حق ادا کرنے میں کامیاب رہے ہیں' جس میں بات کو قابل قبول بنانے میں صرف قول کو رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنے ضرورت ہوتی تھی۔ یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ نہ صرف صحابی کی شہادت کو بلکہ ان سے رسول ﷺ سے منسوب پوری روایت ہی کا قرآنی تعلیم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مصنف کو مزید جرأت کا مظاہرہ کر کے اسے صحابی اور رسول کا قول ہی نہیں سمجھنا چاہئے تھا۔ ہم نے اس توقع کا اظہار اس لئے کیا ہے کہ ابھی تک انہوں نے اپنی قرآن دشمنی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے ہمیں زیادہ انتظار میں نہیں رکھا اور اپنے اصلی چہرہ کو بے نقاب کرتے ہوئے درج ذیل روایت کے ضمن میں اس کا دوٹوک اظہار کر دیا۔

حضرت سلیمانؑ اور سو عورتوں کا دورہ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤد علیہ السلام نے ایک دفعہ کہا:

''آج شب میں سو یا ننانوے بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ وہ سب عورتیں ایک ایک شہسوار پیدا کریں گی۔ جو خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ کسی ہم نشین نے کہا کہ انشاء اللہ کہو۔ مگر آپ بھول گئے پس ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی وہ بھی آدھا بچہ جنی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے گر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو سب عورتوں کے بچے ہوتے اور بے شک وہ سب سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''

انشاء اللہ کے صرف دو الفاظ کی منہ سے ادائیگی کے نتیجہ ایسے عظیم فوائد کا حصول ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ مصنف کو البتہ ان پر ایمان کی حد تک یقین ہے لہٰذا وہ اسے سند کا درجہ دیتے ہوئے اس پر طلوع اسلام کی طرف سے بھی کسی قسم کے اعتراض کی توقع نہیں رکھتے۔ اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا یا جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔

حدیث میں انشاء اللہ کی برکات کے فوائد میں

چونکہ قسم کھا کر رسول اکرم ﷺ کے نام سے منسوب ہے' لہٰذا اس کے قابل اعتراض ہونا کا تو مصنف کی نظر میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس بنا پر انہوں نے طلوع اسلام سے روایت میں صرف دو باتوں کے قابلِ اعتراض ہونے کے خدشہ کا اظہار کیا۔

(1) ننانوے یا سو بیویوں کا ہونا۔

(2) دوسرے ایک رات میں ان سب کے پاس جانا۔

پہلے متوقع' اعتراض کا رد انہوں نے تاریخ میں نبیوں سے منسوب بہت بڑی تعداد میں حرم میں شامل عورتیں گنا کر ادا کیا۔ اس کے برعکس دوسرے اعتراض کے رد میں یہاں نقل کفر' کفر نباشد کے تحت ان کی سوچ انہی کے الفاظ میں درج کر دیتے ہیں۔

''رہی یہ بات کہ کوئی انسان ایک رات میں اتنی بیویوں کے پاس جا بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اندازاً جماع کے وقت انزال کے لئے صرف تین منٹ درکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات بھی کوئی محیر العقول اور خلاف عقل نہیں جس کا وقوع ناممکنات سے ہو۔ علاوہ ازیں اگر ہم قرآن کی رو سے دوسری بہت سی معجزہ کی قسم سے تعلق رکھنے والی ''غیر معقول'' باتیں تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر اس بات کو بھی تسلیم کر لینے میں کیا حرج ہے؟ یہ بات بھی تو آخر نبی ہی سے تعلق رکھتی ہے۔''

غور طلب بات یہ ہے کہ مکتب ملا کی نمائندگی کا حق ادا کرنے کی خواہش رکھنے کے باوجود یہاں مصنف کو روایت کے دفاع میں غیر معقولیت کا احساس ہونے پر خود قرآن ہی پر غیر معقول ہونے کا الزام لگانے کے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ: معلوم ہوتا ہے کہ جماع کی تکمیل کے طویل مراحل کو تین منٹ تک کی محدود کرنے کی تاویل کے لئے دلیل کے بودے پن کا خود ان کو ہی احساس ہو گیا۔ اس لئے بوکھلاہٹ میں ان کو منافقت کا لباس اتار کر قرآن کے خلاف صدیوں سے چھپائے ہوئے بغض کو اگلنا پڑا۔ اس کی ضرورت کا احساس مزید شدت اختیار کر گیا' چونکہ ان کا موضوع طلوع اسلام کے موقف سے تقابل تھا۔ جو نہ صرف قرآن کے علاوہ نہ کسی سند کو مانتا ہے اور خود بھی اپنے دلائل کی سند میں قرآن اور عقل و بصیرت کے حوالے دیتا رہتا ہے۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ طلوع اسلام قرآن سے منسوب مکتب ملا کے زرخیز ذہن کی غیر معقول معجزہ کی تاویلات کا سرے ہی سے قائل نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اس وضاحت سے طلوع اسلام کے ممکنہ اعتراض کا سدِ باب کرنا مقصود نہیں' بلکہ ان کا مخاطب ان کے چاہنے والے قارئین ہی ہو سکتے ہیں۔ اپنی احمقانہ تاویلات پر عبور حاصل کرنے کے باوجود' میرے لئے حیرت کا باعث ہے کہ وہ جماع کے عمل میں اپنی تین منٹ کی تاویل کے لئے خاطر

خواہ دلیل مہیا نہ کر سکے جو کم از کم ان کی اپنی نظر میں قابلِ قبول ہو جاتی۔ ان کے قارئین کے لئے ان کی چاہت تاویل کے لئے دلائل کی محتاج نہیں' لہٰذا وہ دلیل کے بغیر بھی کام چلا سکتے تھے۔ شاید اس سے یہی اخذ کرنا مناسب ہوگا کہ قرآن کے خلاف اپنے بغض کو باہر لا کر ان سے چوک ہو گئی ہے۔ قرآن کے نام سے لوگوں کے ورغلانے کے کاروبار میں ملوث ہوتے ہوئے' ان کو بخوبی احساس تھا کہ اس بغض کا اظہار ان کے لئے سودمند نہیں ہے۔

ابھی ہم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے قارئین کی چاہت خریدنے کے لئے بخاری کی بیان کردہ روایت کے دفاع میں حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی اذیت سے بری کرانے کے لئے خود روایت کی کہانی اور مطالب میں بے دردی سے تحریف کی ہے۔ روایت میں بیان کردہ پتھر کے دوڑنے کے خلاف فطرت عمل کی جگہ حجر کا مطلب گھوڑی لیا اور پتھر کی جگہ اسے بھگا کر عین فطرتی عمل میں بدلنے کا کارنامہ ادا کیا۔ اس میں ہم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے قرآن کے لفظ وجیہہ کو لا کر اس کا مطلب آبرو بیان کیا۔ یہاں تک تو ٹھیک تھا کہ عام لوگ اس سے یہی مطلب لیتے ہیں۔ عام لوگوں سے زیادہ قابلیت کا مظاہرہ کرنے کی خواہش میں' انہوں نے آبرو کے مطلب کے ساتھ غیبت کی مزید شرط ڈال کر اپنے قارئین سے داد حاصل کرنے کا سامان مہیا کر دیا۔ اب جہاں غیبت کو شامل کرنے کی لغوی سند کا تعلق ہے' تو اس کے ضرورت کا احساس نہ ان کو ہے اور نہ ہی ان کے قارئین کو۔ مکتب ملا کو سند سے بیزاری اس لئے بھی ہے کہ محترم پرویز صاحب دین میں سند صرف قرآن کی مانتے ہیں۔ ان کی نظر میں اس سے روایات کی اہمیت میں کمی واقع ہو جاتی ہے' لہٰذا یہ جرم قابل معافی نہیں۔

ان معجزہ نما روایات کاردان سے برداشت نہ ہو سکا۔ لہٰذا علماء نے محترم پرویز صاحب کے خلاف فتویٰ کے سلسلہ میں کہ آیا وہ دائرہ اسلام میں داخل اور مسلمان ہے یا ملحد' زندیق اور کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج' اپنے استفتاء میں یہ الزام شامل کرنا نہیں بھولے کہ:

''(محترم پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ) مخالفین بار بار نبی اکرمﷺ سے معجزات کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ (قرآن کے ذریعے) ہر بار ان کے مطالبہ کو یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ ہم نے رسول کو حسی معجزہ نہیں دیا۔ اس کے معجزات صرف دو ہیں۔

(1) یہ کتاب جس کی مثل ونظیر کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ (العنکبوت 29:49-50)۔

(2) خود اس رسول کی اپنی زندگی جو سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ (یونس 10:16)۔

(3) ان کے علاوہ اگر تم معجزات دیکھنا چاہتے تو

قُلِ انظُرُواْ مَاذَا فِی السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ (یونس 10:101) ارض وسموات پر غور کرو۔ قدم قدم پر معجزات دکھائی دیں گے۔

اس استفتاء کا جواب ان کو متفقہ فتویٰ کی شکل میں یوں موصول ہوگیا کہ:

''یہ اعتقاد بھی سراسر کفر ہے۔ لغت اسلامی عقائد کی رو سے آنحضرتﷺ کو تین قسم کے معجزات عطا ہوئے۔

(1) قرآن کریم جو لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے معجزہ ہے اور ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

(2) آپ کی پیغمبرانہ زندگی۔

(3) وہ خوارق عادات جو آپﷺ سے ظاہر ہوئے مثلاً چاند کا شق ہو جانا' پتھر وغیرہ کا آپﷺ کو سلام کرنا' تھوڑے پانی کا ایک بڑی جماعت کو کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب معجزات حسیہ ہیں جن کا ثبوت تواتر سے ہے...... اور پھر بہت سے خوارق عادات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد (علامہ ابن ابی الشریف المسامرہ میں) لکھتے ہیں: ان تمام احادیث کے درمیان قدر مشترک خارق عادت امر کا صدور ہے جو بلاشبہ متواتر ہے۔ اور جب معجزات حسیہ کا ثبوت تواتر سے ہوا تو سرے سے معجزہ حسیہ کے وجود ہی سے (چاہے وہ قرآن کی سند سے ہو۔م) انکار کر دینا کفر محض ہے۔''

یہاں آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ استفتاء میں معجزات کا رو محترم پرویز صاحب کی وضاحت کے متعلق اللہ تعالیٰ (القرآن' العنکبوت 51-29:50) نے کیا ہے۔ اس استفتاء کے جواب میں کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے' علماء نے قرآن کے حوالے کو چیلنج نہیں کیا۔ انہوں نے یہ اعتراف کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا کہ ان معجزات (خلاف عقل) واقعات کو بعض اصولین اور مورخ تسلیم نہیں کرتے' جیسا کہ حیات محمدﷺ میں محمد حسین ہیکل ص 175 میں وضاحت کرتے ہیں۔

''عرب وعجم ہر جگہ کے مسلمان مورخوں کی یہ سند بھی موجود ہے کہ سیرتِ نبوی میں جو بات خلافِ عقل ہو اسے تسلیم نہ کیا جائے کیونکہ آپﷺ کی ذات کے ساتھ جن خوارق (یعنی معجزات) کا تعلق پیدا کیا گیا ہے نہ تو ان کی روایت میں تمام مولوی متفق ہیں اور نہ وہ ان معجزات کو ''خلق میں اصول قرآنی'' وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلاً 33-62 ہی کے مطابق پاتے ہیں اور قرآن تو مشرکین کی اس وجہ سے مذمت کرتا ہے کہ یہ سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے۔''

محترم پرویز صاحب کے صرف ایک ہی معیار قرآن مخالف ہونے کی بنا پر احادیث (یعنی ضروریاتِ دین کو رد کرنے کے بالمقابل اصولین کا موقف سخت ہے۔ انہوں نے اس کے علاوہ دس بارہ مزید معیارات وضع کئے ہیں' جن میں ان کا رد بھی شامل ہے جو خلافِ عقل' محسوسات' مشاہدات اور مسلمہ اصولوں کے خلاف بھی ہو۔ اس ضمن میں علماء نے ان سخت معیارات کا اعلان تو کر دیا لیکن اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ضروریات دین پر نقد کے حق کو انہوں نے بھی کفر و الحاد جانا اور ان کو صرف اصولوں کے بیان تک ہی محدود رکھا۔ اسی ضروریات دین کے تناظر میں بخاری میں حضرت موسیٰ ہی کے بارے میں زیر تبصرہ کتاب کے 719 میں درج ملک الموت کے طمانچہ مارنے کی تاویل بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔

ملک الموت کے طمانچہ مارا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ:

''ملک الموت حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا گیا۔ جب وہ آیا تو حضرت موسیٰ نے اس کے ایک طمانچہ مارا کہ اس کی آنکھ پھوٹ گئی اور وہ اپنے پروردگار کے پاس گیا اور عرض کیا کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ دوبارہ اسے عنایت فرمائی اور حکم دیا کہ پھر جا اور ان سے کہہ کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں۔ پس جس قدر بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے۔ ہر بال کی زندگی انہیں دی جائے گی (فرشتہ نے حضرت موسیٰ کو پیغام الٰہی سنایا) انہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار پھر کیا ہوگا؟ اللہ نے فرمایا کہ پھر موت آئے گی۔ حضرت موسیٰ نے کہا تو پھر ابھی سہی۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں ارض مقدس سے بقدر ایک پتھر پھینکنے کے قریب کر دے۔ رسولﷺ خدا نے (یہ بیان فرما کر) مزید کہا کہ اگر میں اس مقام پر ہوتا تو تمہیں حضرت موسیٰ کی قبر راستہ کی طرف سرخ ٹیلے کے پاس دکھا دیتا۔''

امام بخاری نے روایات مرتب کرتے ہوئے ایک سخت معیار کی پابندی کرتے ہوئے لاکھوں کی تعداد میں روایات کو رد کرتے ہوئے تین ہزار سے کم روایات کا انتخاب کر کے صحیح بخاری میں جگہ دی ہے۔ ان کے معیار کے مطابق' درج بالا روایت ان کے مجموعہ میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ حالانکہ سرسری طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو یہ نہ صرف اللہ' ملائکہ اور موت کے قرآنی تصورات سے منافی ہے' بلکہ ان کی تضحیک کا باعث بھی ہو رہی ہے۔ قرآن اللہ کا تصور بطور حاکم مطلق متعارف کراتا ہے' جس نے ہر شے کے پیمانے مقرر کئے ہیں اور اس کی تخلیق کردہ قوتیں ملائکہ کے ذریعے وہ ان پیمانوں

(قوانین) میں کسی کو ردو بدل کرنے کی توفیق حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ خصوصی طور پر موت کے متعلق وضاحت ہے کہ:

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ (الانعام 6:61)۔

چنانچہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے کارندے (قانون فطرت کے مطابق) اس کی دنیاوی زندگی کی مدت کو پورا کر دیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کرتے۔

اس لئے طلوع اسلام کا موقف ہے کہ اسلامی مملکت کو ایسی روایات جو غلطی سے صحیح بخاری میں شامل ہو چکی ہیں' ان کو قرآن کے مخالف ہونے کی بنا پر دین سے خارج کر دینا چاہئے۔

زیر تبصرہ کتاب کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ انکار سنت کے بعد طلوع اسلام جو نظریات پیش فرما رہا ہے ان کا وہ قرآن اور صرف قرآن کی روشنی میں پورا پورا محاسبہ کر رہے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے روایت کے دفاع میں قرآن ہی (سورہ مریم 19:17) کے حوالے مفروضہ پیش کیا کہ:

(1) فرشتے انبیاء اور غیر انبیاء کے پاس انسانی شکل میں آ سکتے ہیں۔

(2) (قرآن سے حوالہ نہ پا کر) اپنی مضحکہ خیز دلائل کا اختراع کر کے درج ذیل مفروضہ بنایا کہ عام فرشتوں سے عام مومن افضل ہوتے ہیں اور مقرب فرشتوں سے مقرب مومن کیونکہ فرشتوں میں شر کا مادہ پیدا ہی نہیں کیا گیا اور ان کی عبادت بھی تعبدی یا اضطراری ہوتی ہے پھر انبیاء کا درجہ تو مقرب فرشتوں سے بھی بہت بلند ہوتا ہے۔

اس مفروضہ کی بنیاد پر انہوں نے حضرت موسیٰ کے ملک الموت کو تھپڑ رسید کرنے کے دفاع میں مزید مفروضات کو یوں جنم دیا کہ:

''(تھپڑ رسید کرنے کی) اصل وجہ یہ تھی کہ یہ فرشتہ انسانی شکل میں بغیر اذن کے آپ کے گھر میں داخل ہو گیا تھا۔ اس بات پر موسیٰ کو طیش آ گیا اور کچھ کہے سنے بغیر اسے تھپڑ رسید کر دیا اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا تو درکنار صرف جھانکنا بھی شریعت کی نگاہ میں ایسا شدید جرم ہے کہ اگر صاحبِ خانہ کنکری وغیرہ سے جھانکنے والے کی آنکھ بھی پھوڑ دے تو اس پر حرجانہ نہیں پڑتا۔ گویا ملک الموت کا انسانی شکل میں بلا اجازت گھر میں داخل ہونا موسیٰ کے اس فعل کا محرک ہوا تھا۔''

مصنف کی نگاہ میں ملک الموت (ایک فرشتہ) شریعت کے

خلاف اس قدر سنگین جرم کا مرتکب ہوا تھا کہ اس کے بدلہ میں تھپڑ کی بجائے آنکھ پھڑوانے کا بھی استحقاق رکھتے تھے۔ اس کے برعکس قرآن سے ہمیں فرشتوں کے متعلق یہ تصور ملتا ہے کہ فرشتے ازخود کچھ نہیں کرتے۔ انہیں جو حکم خدا کی طرف سے ملتا ہے، وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (النحل 16:50)۔

اور جو حکم دیا جاتا ہے (فرشتے) کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ملک الموت کا یہ فعل کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی جان قبض کرے، خدا کے حکم کے عین مطابق تھا۔ اس لئے اس پر جرم کرنے کا الزام قرآن سے مطابق نہیں رکھتا۔ مصنف اس ضمن میں محترم پرویز صاحب کے موقف سے بخوبی واقف تھا، لہٰذا اس نے ان کے موقف کی تنقید کرتے ہوئے زیر تبصرہ کتاب ہے صفحہ 645 میں طلوع اسلام کا معیار حدیث کا عنوان باندھتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرمﷺ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔'' (طلوع اسلام کا مقصد و مسلک شق نمبر 14)۔

اس اقتباس سے مصنف نے تین معیار اخذ کئے ہیں۔

(1) وہ حدیث قرآن کے مطابق ہو۔

(2) اس میں رسول اکرمﷺ پر کسی قسم کا طعن نہ پایا جاتا ہو کہ اس سے آپ کی سیرت داغدار ہو۔

(3) یہی اصول صحابہ کبارؓ کے لئے بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔

مصنف نے اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ یہ معیار محترم پرویز صاحب کے ہی نہیں خود ان کے اپنے اصولین کی جماعت کے بھی ہیں اور قرآن سے بھی ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہم یہاں ان کی طرف سے جو اس معیار کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ان کے اہم دلائل کو اپنے مختصر تبصرہ کے ساتھ قارئین کو آگاہ کرنا چاہیں گے۔

معیار اول: قرآن کے مطابق ہو:

زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف کا اعتراض۔

1- جو حدیث قرآن کے مطابق ہو گی اس کو تسلیم کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ کیا اس کے عوض قرآن ہی کافی نہیں۔ قرآن کو اپنی تائید کے لئے حدیث یا روایت کی ضرورت بھی کیا ہے؟

2- اگر قرآن ہی کی ایک آیت دوسری کے مخالف یا متعارض ہو تو پھر کیا کیا جائے۔ مثلاً قرآن میں وضاحت کی گئی ہے کہ اے محمدﷺ تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے۔ (القصص 28:56)۔ اس کے برعکس دوسرے مقام میں ہے اور بے شک (اے محمدﷺ) تم سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہو۔ (الشوریٰ 42:52)۔

تبصرہ' ہماری طرف سے اعتراض کا تجزیہ

مصنف اگر اسی طلوع اسلام کے مقصد کی دوسری شقوں کا مطالعہ کر لیتا' تو اس کو وضاحت مل جاتی کہ جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت کے لئے جزئیات بھی مرتب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن نے الفرقان 25:3 میں یہی دعویٰ کیا ہے کہ ہدایت اور مدد دینے کے لئے اللہ کافی ہے۔ اور یہ کتاب (29:51) دوسری دلیل میں من احببت کا ترجمہ تم جسے چاہو سے شک پیدا کرنے کی بجائے' جسے تو دوست رکھتا ہے کیا جاتا تو بات صاف ہو جاتی اور کسی قسم کے تضاد کا احتمال نہ رہتا۔ یعنی ہدایت پر ہونے کے لئے صراطِ مستقیم کی طرف چلنا ہوتا ہے جس کی ہدایت و راہنمائی رسولﷺ کا بھی فریضہ ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں مصنف کا یہ ماننا کہ قرآن کی کوئی آیت اس کی دوسری آیت سے متعارض ہے' اس کا قرآن کو حق کی بجائے باطل سمجھنے کے مترادف ہے۔ مصنف کے لئے بہتر ہوتا کہ اگر وہ فہم قرآن میں ذہنی پختگی کے حصول میں ابھی تک رسائی حاصل نہیں کر سکے' تو وہ اس کا اعتراف کر کے اپنے قلم کو بھٹکنے سے روک لیتے۔ قرآن نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (النساء4:82)۔

معیارِ دوم: رسول اللہﷺ کی توہین:

زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف کا اعتراض۔

اب دیکھئے اگر قرآن کی کسی آیت سے رسول اللہﷺ کی سیرت بظاہر داغدار معلوم ہوتی ہو تو اس کا حل کیا ہوگا؟ کیا پھر قرآن کی اس آیت کو بھی (نعوذ باللہ) مردود سمجھا جائے گا مثلاً قرآن میں ہے۔

> ہم نے آپ کو فتح مبین دے دی ہے' تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے۔ (الفتح 2-48:1)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپﷺ سے کچھ نہ کچھ گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت بھی آپ کی سیرت کو داغدار کر رہی ہے۔

تبصرہ' ہماری طرف سے اعتراض کا تجزیہ

ذنب سے گناہ کا مفہوم بھی لیا جاتا ہے لیکن برصغیر کی (مصنف کی نظر میں مستند ترین) تفسیرات میں اس کا معنیٰ گناہ نہیں لیا گیا۔ ویسے بھی گناہوں کا بخشا کسی فتح کا نتیجہ بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا انہوں نے اسے کوتاہی کے معنی میں لیا ہے۔ مصنف نے چونکہ اس دلیل کو محترم پرویز صاحب کے موقف کی تنقید میں بیان کیا ہے' اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہم ان کا موقف لغات القرآن کے حوالے سے سامنے لائیں۔ ذنب کے مفہوم میں محیط المعیط کے حوالے سے وضاحت ہے کہ:

الـذنب' دراصل کسی چیز کے پچھلے حصے یا دُم کے ہیں۔ نیز کسی کام کے نتیجہ (انجام) کو بھی ذنب کہتے ہیں۔

چونکہ دُم ہمیشہ جانور کے پیچھے لگی رہتی ہے اس لئے ان اتہامات کو بھی ذنوب کہا جا سکتا ہے جو یونہی کسی کے پیچھے چپکا دیئے جائیں۔

زیرتبصرہ آیت کے مفہوم میں محترم پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ فتح عظیم اس لئے دی جارہی ہے کہ ان تمام اتہامات سے تمہاری حفاظت (غفر) ہو جائے' جو تمہارے مخالفین تم پر لگا رہے ہیں یا آئندہ لگانا چاہیں۔

اس کی تصریف آیات کی رو سے مزید وضاحت یوں کی ہے کہ مخالفین کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) آپ اپنے دعاوی میں جھوٹے ہیں۔ دیوانے ہیں۔ کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ یونہی لوگوں کو سبز باغ دکھا کر ورغلاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ یہ فتح مبین' جس سے مخالفین کی قوتیں ٹوٹ گئی ہیں' ان تمام اتہامات کا جواب ہے کہ دیکھ لو انجام کار کون سچا ثابت ہوا۔

سارے قرآن میں کہیں بھی رسولﷺ کے گناہوں کا ذکر نہیں بلکہ آپ کے خلق عظیم کے اسوہ حسنیٰ کی تقلید کی دعوت دی گئی ہے۔ ان سے گناہ منسوب کر کے' مصنف کی رسولﷺ پر طعن کی روایات کا دفاع کرنا اور لوگوں کی چاہت حاصل کرنا' ایسا کارنامہ ہے جس پر ہم تبصرہ کرنے کی ہمت نہیں پاتے۔ علامہ اقبال نے البتہ اپنے مخصوص انداز میں یوں تبصرہ کیا ہے کہ:

مکتب و مُلا و اسرار کتاب
کُورِ مادر زاد و نورِ آفتاب

معیار سوم: توہین صحابہؓ:

زیرِ تبصرہ کتاب کے مصنف کا اعتراض۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں وضاحت ہے کہ صحابہ یا صحابیات حتیٰ کہ ازدواج مطہرات بھی معصوم نہیں ہیں۔ قرآن کی یہ آیت ان کے اللہ اور رسولﷺ کی نظروں میں ناپسندیدہ میلان کی وجہ سے ان کی توہین میں نازل ہوئی۔

''اے نبیﷺ اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے دوں اور تمہیں اچھی طرح رخصت کر دوں۔'' (الاحزاب33:28)۔

تبصرہ' ہماری طرف سے اعتراض کا تجزیہ

اگر مصنف یہاں بخاری ہی کی روایت سے ہدایت حاصل کر لیتے' تو اس گمراہی میں پڑ کر امہات المومنین پر یوں الزام لگانے کی جرأت نہ کرتے۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

''جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں جن میں بیبیوں کو رسول کے گھر میں رہنے یا طلاق لینے کا

اختیار دیا گیا تو آپ نے مجھ سے ابتدا کی اور فرمایا کہ میں ایک بات تم سے کہتا ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کر لینا۔ تب آپ ﷺ نے یہ آیتیں پڑھیں تو میں نے کہا میں ماں باپ سے کس بات میں مشورہ کروں۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دار آخرت کو چاہتی ہوں۔ تب آپ نے باقی بیبیوں سے بھی اس طرح دریافت کیا اور سب نے وہی جواب دیا۔''

ہم مصنف کو یہی مشورہ دے سکتے ہیں کہ دفاع اگر کرنا ہی ہے تو ان روایات کا کیا جانا چاہئے' جو قرآن کے مطابق ہوں۔ اس لئے کہ ہم قرآن پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں۔ قرآن نے صحابہ اکرامؓ کو مومنین حقا کا درجہ دیا ہے اور مومنین حقا کی توہین میں نہیں' بلکہ عزت افزائی کے ضمن میں قرآن کی ہدایت ہے کہ:

1- نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔ (الاحزاب33:6)۔

2- (مومنین کا) ان سے بھی نکاح حرام تھا۔ (الاحزاب33:53)۔

قرآن کی طرف سے اتنا واجب التکریم درجہ' اور مصنف کا ان کی طرف صریح توہین کے مفہوم میں دیکھنا' اقبال کے مخصوص الفاظ میں ایک مادر زاد اندھے ہی کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال کی اصطلاحات ظاہری معنوں سے اخذ نہیں کی گئی ہیں۔ اس لئے یہاں مادر زاد اندھے سے ظاہری معنی نہیں لئے گئے۔ علامہ اقبال اپنی اصطلاحات قرآن ہی کی روشنی میں متعین کرنے ہی کے خواہش مند رہے ہیں۔ لہٰذا یہ اصطلاح بھی انہوں نے قرآن سے لی ہے کہ:

''ان کے دل ہیں' جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں' جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں' جن سے وہ سنتے نہیں۔''

(الاعراف7:179)۔

اس لئے ظاہری معنوں میں قرآن کے خلاف روش اختیار کرنے والوں سے اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ خالص قرآن کے پیغام کو نوع انسانی تک پہنچانے کے لئے دن رات ایک کرنے والی محترم پرویز جیسی شخصیت کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کرنے میں عار نہ سمجھیں۔

محترم پرویز صاحب نے اپنی کسی تحریر کو نہ سہو وخطا سے منزہ سمجھا ہے اور نہ موضوع پر حرف آخر۔ حسبنا کتاب اللہ پر ان کا پختہ یقین تھا اور قرآن کے مفہوم کو متعین کرنے میں قرآن ہی سے تحقیق کرنے میں ساری عمر کاوشیں کرتے رہے۔ قرآن کی قرآن ہی کی روشنی میں الحمد سے والناس پورے قرآن کا مفہوم اپنے زمانہ کی علمی سطح تک علمی مستند حوالوں سے خصوصی طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے پیش کر

دیا۔ قرآن سے ان کا لگاؤ ڈھکا چھپا نہیں اور اس کے حق ہونے کا ان کو یقین تھا۔ لہٰذا انہوں نے قرآن کے پیغام میں کسی باطل خارجی نظریہ کی آمیزش نہیں ہونے دی۔ ایسے میں ان کے خلاف کفر کا متفقہ فتویٰ کی حقیقت اسلم جیراجپوری کے الفاظ سے زیادہ نہیں۔

''یہ ہماری (مسلمانوں) کی تاریخ کا المیہ ہے کہ ہمارے علمائے حق جب بھی کسی بات پر متفق ہوئے ہیں' تو ہمیشہ باطل ہی پر ہوئے ہیں۔''

ہماری قوم بدقسمتی سے شخصیات کے پیچھے لگی ہوئی ہے اور ان سے منسوب مختلف فرقوں میں تقسیم ہوکر اپنے آپ کو حق پر اور دوسروں کو باطل پر سمجھتی ہے۔ محترم پرویز صاحب نے نہ کوئی اپنا نظریہ پیش کیا ہے اور نہ ہی فرقہ بنایا ہے۔ انہوں نے جو کچھ قرآن میں پایا' اس کو حق سمجھتے ہوئے آگے بڑھا دیا۔ لہٰذا ان پر تنقید صرف ان کے فہم قرآن کے تناظر میں ہو سکتی ہے نہ کہ بطور فرقہ کے۔ فرقہ میں سند شخصیات کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ محترم پرویز صاحب نے اپنی فکرِ قرآنی کو سند کے طور پر پیش نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ:

''میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ از خود قرآن کریم پر غور وفکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں۔ اسے اچھی طرح سن رکھئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں قرآن کریم کی بجائے کسی انسان کو سند مان لیا' آپ نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی اور یہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرقہ پرستی قرآن کی رو سے شرک ہے۔''

محترم پرویز صاحب نے فرقہ پرستی کے متعلق اپنے موقف کی وضاحت نہایت صراحت کے ساتھ دوٹوک الفاظ میں بیان کردی۔ اس کے باوجود ان کے خلاف علماء نے اپنے متفقہ فتویٰ میں موقف اختیار کیا کہ محترم پرویز صاحب نے ایک مستقل فرقہ اپنے عقائد کی بنیاد پر قائم کرلیا ہے اور اب (عصر حاضر میں) کسی کو یہ حق نہیں کہ قرآن کریم کی کوئی نئی تعبیر کرے یا ضروریاتِ دین اللہ' رسول ﷺ' آخرت' جنت ودوزخ' ملائکہ' نماز' روزہ' زکوۃ اور حج وغیرہ کی کوئی نئی تشریح کر کے ان میں تحریف کرے یا انکی کوئی ایسی مراد بیان کرے جو امت کے اجماع اور اسکے چودہ سو سالہ تعامل وتوارث کے خلاف ہو۔ ضروریاتِ دین کی وضاحت یوں کی کہ جن کا دینی حقیقت اور دینی عقیدہ ہونا پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ امت کو معلوم ہے۔ امت کو کیا معلوم ہے' ہماری تحقیق سے ہمیں اسی فتویٰ میں وضاحت حاصل ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے قول وفعل اور تقریر سے قرآن کریم کی مکمل تشریح فرمائی اور امت نے اسے اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کیا اور اس طرح قرآن کریم کی تعبیر وتشریح ٹھیک اسی طرح محفوظ ہوگئی جس طرح اس کے الفاظ محفوظ ہیں۔ پھر امت کے مسلسل تعامل و

تو ارث نے اس کی حفاظت پر مہریں ثبت کیں۔

قرآنی الفاظ تو ایک کتابی شکل میں محفوظ ہمارے سامنے ہیں اور امت اس پر متفق چلی آ رہی ہے۔ اس کے بالمقابل رسول کی تشریح میں جس محفوظیت کا امت میں فتویٰ میں دعویٰ کیا جا رہا ہے' اس میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ سنی اور شیعہ حضرات کا ایک دوسرے کے موقف میں واضح تضاد ہے۔ اب علم اور منطق تو یہی کہتا ہے کہ دو متضاد حق پر نہیں ہو سکتے ان میں ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔ منطق کے اصولوں کا تعلق تو علم اور عقل سے ہوتا ہے' لیکن علماء نے تو اپنے فتویٰ کے سارے افسانے میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کا البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرا باطل پر اور قرآن کی روشنی میں دونوں اپنے اس ناحق حق پر ہونے پر خوش ہوتے ہیں۔

علماء نے اپنے متفقہ فتویٰ میں محترم پرویز صاحب پر کھینچ تان کر چالیس اعتراضات لگائے ہیں۔ ان کے لئے نہ انہوں نے محترم پرویز صاحب سے الزامات لگانے سے پہلے صفائی مانگی ہے اور نہ بعد میں اس کی ضرورت محسوس کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کرنا علماء حق کی ترجیحات میں شامل نہیں یا پھر ان کے انصاف کے معیار میں صفائی کا موقع دینا ضروری نہیں۔ اسی لئے شاید جب محترم پرویز صاحب نے اس امر کی طرف توجہ دلائی اور خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی طرف منسوب الزامات کے متعلق ان سے دریافت کر لیا جاتا' تو ان الزامات کی وضاحت سے فتویٰ صادر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ ان کو جواب دیا گیا کہ اس (دریافت کرنے) کی افادیت نظر آتی ہے نہ ضرورت۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!

محترم پرویز صاحب نے کچھ الزامات پر اپنا مختصر سے موقف فتویٰ کے مصنف کو خط کی شکل میں واضح کرتے ہوئے جواب (Response) کی صورت میں عندالضرورت باقی کی تحقیقات کی اسی طرح نقاب کشائی کرنے کا وعدہ کیا۔ شاید اسی لئے انہوں نے Response کرنے سے گریز کرنے ہی میں مصلحت سمجھی۔

اب ہم شق وار الزامات پر محترم پرویز صاحب کا موقف بیان کر رہے ہیں' جو انہوں نے اپنے خط فتویٰ کے مصنف بنام محترم مولانا محمد شفیع میں لکھا ہے:

(1) علماء کا فتویٰ/ الزام:

غلام احمد پرویز شریعت محمدیہ کی رو سے کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج' نہ اس شخص کے عقدِ نکاح میں کوئی مسلمان عورت رہ سکتی ہے اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح اس سے ہو سکتا ہے' نہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی' نہ مسلمانوں کے قبرستان میں اس کا دفن کرنا جائز ہوگا۔ اور یہ حکم صرف پرویز ہی کا نہیں بلکہ ہر کافر کا ہے۔ اور ہر وہ شخص

جو اس کے متبعین میں ان عقائد کفریہ کے ہمنوا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے' اور جب یہ مرتد ٹھہرا تو پھر اس کے ساتھ کسی قسم کے اسلامی تعلقات رکھنا شرعاً جائز نہیں ہیں۔

محترم غلام احمد پرویز کی مکتوب میں اپنے موقف کی وضاحت:

سر دست میں اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم نے اس شخص کو مومن کہا ہے:

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ (2:177)-

میں ان تمام امور پر ان تصریحات کے مطابق' جو قرآن کریم میں مذکور ہیں' ایمان رکھتا ہوں۔ میں نبی اکرمﷺ کو خدا کا آخری نبی اور رسول' اور قرآن کریم کو تمام نوعِ انسان کے لئے ضابطۂ حیات مانتا ہوں۔ ارکان اسلام (نماز' روزہ' وغیرہ) کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ امت کے مختلف فرقے انہیں جس جس طریق سے ادا کرتے چلے آ رہے ہیں' کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کوئی رد و بدل کرے۔ یا کوئی نیا طریق وضع کرے۔

(2) علماء کا فتویٰ/ الزام:

مرکزِ ملت کے تصور کے ضمن میں محترم پرویز نے لکھا ہے کہ:

1- قرآن کریم میں جہاں بھی ''اللہ و رسول'' کا نام آیا ہے' اس سے مراد مرکزِ ملت ہے۔

2- جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اس سے مراد ''مرکزی حکومت کی اطاعت'' ہے۔

3- مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات' نماز' روزہ' معاملات' اخلاق غرض جس چیز میں چاہے رد و بدل کر دے۔

محترم غلام احمد پرویز کی مکتوب میں اپنے موقف کی وضاحت:

اطاعت خدا اور رسول کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرمﷺ کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسولﷺ کی اطاعت کر لیتا تھا۔ اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضورﷺ کے بعد جو خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسولﷺ کی اطاعت کس طرح کی جائے گی۔ جو فیصلہ وہاں سے ملتا اسے خدا اور رسولﷺ کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدت امت قائم تھی۔ جب خلافت نہ رہی تو خدا اور رسولﷺ کی اطاعت انفرادی طور پر ہونے لگی۔ اس سے امت میں افتراق پیدا ہوا۔ امت میں دوبارہ وحدت پیدا

کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کی جائے اور اس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسولﷺ کی اطاعت کی جائے۔ اسی خلافت کو بغرض اختصار' مرکز ملت یا اسلامی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے' اور میں اس کی بار بار وضاحت کر چکا ہوں۔ میں نہ ہر نظام حکومت کو اسلامی نظام کہتا ہوں' اور نہ اس کے فیصلوں کی اطاعت کو خدا اور رسولﷺ کی اطاعت۔ میرے نزدیک خلافت علیٰ منہاج نبوت کے علاوہ کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا اور نہ اسے مرکز ملت کہا جا سکتا ہے۔

(3) علماء کا فتویٰ/ الزام:

محترم پرویز کے نزدیک حدیث عجمی سازش ہے اور جھوٹ' جو مسلمانوں کا مذہب ہے۔

محترم غلام احمد پرویز کی اپنے مکتوب میں وضاحت:

میں ہر اس حدیث کو صحیح مانتا ہوں جو قرآن کے خلاف نہ ہو یا جس میں نبی اکرمﷺ یا صحابہ کبارؓ کی شان میں کوئی طعن نہ پایا جاتا ہو۔ میں صرف ان وضعی روایات کو ''عجمی سازش'' سے تعبیر کرتا ہوں جن میں غیر اسلامی معتقدات اور رسومات کو اسلام کے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔

(4) علماء کا فتویٰ/ الزام:

1- چنانچہ لینن اور مارکس کا نظریہ حیات جو سراسر روحِ اسلامی کے منافی ہے' اس کے نزدیک عین قرآنی نظریہ ہے۔

2- اسی طرح ڈارون کا نظریہ ارتقاء جس کو خود فضلاء یورپ نے شدید اعتراضات کا نشانہ بنایا ہے اور جو اسلامی تعلیمات کے نصوص صریحہ کے بالکل منافی ہے' اس کے نزدیک قرآنی نظریہ ہے۔

محترم غلام احمد پرویز کی اپنے مکتوب میں وضاحت:

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میری تحریروں سے ایک ایک' آدھ آدھ فقرہ ادھر ادھر سے اخذ کر لیا گیا ہے اور انہیں ''مکروہ اقتباسات'' کہہ کر پیش کر دیا گیا ہے۔ پھر ان منتشر ٹکڑوں سے جو مفہوم مرتب کیا گیا ہے وہ بے حد غلط اور گمراہ کن ہے۔

جس لٹریچر کی بناء پر مجھے کافر قرار دیا جا رہا ہے اس کے متعلق اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ اس وقت ملک میں ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوان ایسے ہیں جو اس لٹریچر کی بدولت اسلام کے گرویدہ ہیں۔ اگر یہ لٹریچر ان تک نہ پہنچتا تو وہ کبھی کے مغربی مادیت یا روس کی کمیونزم کی آغوش میں جا چکے ہوتے۔ اس لئے کہ مارکس کے نظریۂ حیات

اورڈارون کے نظریۂ ارتقاء میں غیر قرآنی عنصر کی پرویز صاحب نے نشان دہی کر کے اسے عصرِ حاضر کے علم اور قرآن کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے کی بنا پر اپنی تصانیف میں اس کا رد کیا ہے اور صحیح نظریہ سامنے لاکر پیش کیا ہے۔

(5) علماء کا فتویٰ/ الزام:

محترم پرویز کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کوئی خارجی وجود نہیں بلکہ وہ عبادت ہے ان صفات عالیہ سے جنہیں انسان اپنے اندر منعکس کرنا چاہتا ہے۔

غلام احمد پرویز کی اپنے مکتوب میں وضاحت:

اس فتویٰ میں جس میں محترم پرویز صاحب کو ذاتِ باری تعالیٰ کا منکر ٹھہرایا گیا ہے، اس کے رد میں اور خدا کے ''موجود فی الخارج'' کے قائل ہونے کے اپنی خصوصی کتاب ''من و یزداں'' کے حوالوں کے علاوہ دیگر گیارہ اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک اقتباس ہم یہاں درج کر رہے ہیں، جو ان کی کتاب سلیم کے نام سے لیا گیا ہے۔

لیکن (دین (قرآن) خدا کے متعلق ایک جداگانہ تصور عطا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہی کہ خدا ذہن انسانی کا تراشیدہ نہیں بلکہ وہ خارج میں موجود ہے۔ وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کوئی تصور کرنے والا ذہن موجود نہیں تھا اور اس وقت بھی موجود ہوگا جب کوئی تصور کرنے والا ذہن موجود نہیں ہوگا۔ وہ موجود ہے اور اپنی خصوصیات کے ساتھ موجود ہے۔ اس کی یہ خصوصیات (جنہیں صفات کہا جاتا ہے) مستقل بالذات اور موجود فی الخارج ہیں۔ (جلد دوم، صفحہ 8-7)۔

خدا کسی انسان کے ذہن کی تخلیق نہیں بلکہ ایک موجود فی الخارج ذات ہے جسے حقیقت مطلقہ کہا جاتا ہے۔ اس خدا کا تعارف ان صفات کی رو سے ہوتا ہے جو اس نے خود وحی کے ذریعے بیان کر دی ہیں۔ (ایضاً، صفحہ 36)۔

محترم پرویز صاحب کا اپنے مکتوب میں مفتی محمد شفیع کو مخلصانہ مشورہ۔

اگر آپ ایک مخلصانہ مشورہ پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں تو میں عرض کروں گا کہ اگر آپ فتاویٰ صادر کرنے کی اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں تو آپ کے لئے بہت اچھا ہوگا۔ اس لئے کہ اس قسم کے فیصلے دینے کے لئے جس قسم کی تحقیق اور کاوش کی ضرورت ہوتی ہے وہ (معاف بفرمائید) آپ کے بس کی بات نہیں اور دوسروں کی تحقیق جس قدر قابل اعتماد ہوتی ہے اس کا نمونہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ تقسیم سے پہلے آپ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ عبادات کے

لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ناجائز ہے۔ اس فیصلہ تک پہنچنے کے لئے آپ نے لکھا تھا کہ' آپ نے اس کے متعلق الیگزنڈر ہائی سکول بھوپال کے سائنس ماسٹر برج نندن لال صاحب سے دریافت کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ ''برقی قوت کی وجہ سے میں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ اصل آواز ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے۔'' اس ''تحقیق'' کی بناء پر آپ نے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو شرعاً ناجائز قرار دے دیا تھا۔ اب اسی لاؤڈ اسپیکر کو آپ سمیت تمام علمائے کرام بلا تامل استعمال کرتے ہیں۔

محترم پرویز صاحب کے سادہ' آسان' مبین غیر مبہم الفاظ میں دیئے گئے موقف سے علماء کا فتویٰ میں متضاد نتائج اخذ کرنا' انسانی عقل سے ماورا ہے۔ اگر ان کو ایک جگہ اقتباس سے سمجھ میں آنے کی دشواری محسوس ہو رہی تھی تو ان کی دیگر تحریروں سے واضح موقف کی موجودگی میں ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کی گئی۔ اس کی تو ایک عام سمجھ بوجھ آدمی سے بھی توقع کی جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم علماء کے فتویٰ میں دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے فتویٰ کی سند میں امت کے تعامل و توارث کا حوالہ دیا ہے۔ شاید ان کے دین میں علم اور عقل کا مقام نہیں' اسی لئے محترم پرویز صاحب کے موقف کو سمجھنے کے لئے ان کو صفائی میں کہنے کی نہ افادیت محسوس کی گئی اور نہ ضرورت۔

محترم کیانی صاحب نے البتہ ''آئینہ پرویزیت'' میں بنی اسرائیل کے متعلق تفسیری روایات کے دفاع میں عقلی دلائل دینے میں بُخل سے کام نہیں لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کے عقلی دلائل کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ یہ ان کے بس کی بات ہی نہیں۔ اسی کی علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں یوں وضاحت کی ہے:

مکتبِ مُلّا و اسرارِ کتاب
کُور مادر زاد و نُورِ آفتاب

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو DVD پر دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

قیمت 20 کراؤن فی سی۔ ڈی علاوہ ڈاک خرچ میں طلب کیجئے۔

سی ڈی اور کتب کی خریداری

☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com

☆ اندرون ملک' فون: 5753666 42 92+ ' ای میل: trust@toluislam.com

پاکستان میں
غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ۔گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔رابطہ: شیخ صلاح الدین‘ فون۔0992-334699‘ موبائل0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق‘ مکان نمبر 302‘ سٹریٹ نمبر 57‘ سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق‘ فون نمبر 051-2107321	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی‘ بیت الحمد‘ 180-AB-4‘ شادمان کالونی‘ ایم۔اے جناح روڈ‘ رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325‘ موبائل: 0321-7087325	بروز جمعہ	3PM
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین۔رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن‘ پوسٹ آفس فوجی ملز‘ نزد بیکن ہاؤس سکول۔رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز‘ زرعی سروس‘ ڈیرہ غازی خان۔رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔فون نمبر: 064-2466181	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	11/9-W‘ گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج‘ فون: 047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدر آباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری‘ B-12‘ حیدر آباد ٹاؤن‘ فیز نمبر 2‘ قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔رابطہ فون: 022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور‘ کمرہ نمبر 114‘ فیضان پلازہ۔کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ‘ موبائل: 0332-5479377	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود‘ مکان نمبر 14/A‘ گلی نمبر 4‘ راہِ طلوع اسلام‘ جنجوعہ ٹاؤن‘ اڈیالہ روڈ‘ نزد جراہی سٹاپ‘ راولپنڈی۔رابطہ: رہائش: 051-5573299‘ موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان‘ محلہ نظام آباد‘ وارڈ نمبر 9 خان پور‘ ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔فون نمبر گھر: 068-5575696‘ دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی' سٹی ہاؤس' سٹی سٹریٹ' شہاب پورہ روڈ' رابطہ: محمد حنیف' 03007158446۔ محمد طاہر بٹ' 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	4-B' گلی نمبر7' بلاک 21' نزد مکی مسجد چاندنی چوک' رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر' فرسٹ فلور' مین ڈگلس پورہ بازار' رابطہ: محمد عقیل حیدر' موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور' سوات	فتح پور' سوات' رابطہ: خورشید انور' فون: 840055	بروز اتوار	3PM
کراچی	105 سی بریز پلازہ' شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد' فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر' عبداللہ ہارون روڈ' رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-5892083	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16' گلشن مارکیٹ' کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-5031379-5046409' موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ وزڈم سنٹر' ڈی۔2' گراؤنڈ فلور' ڈیفنس ویو' نزد اقراء یونیورسٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-5801701' موبائل: 0333-2121992' محمود الحسن۔ فون: 021-5407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 081-825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری' گل روڈ' سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	25-B' گلبرگ 2' (نزد مین مارکیٹ' مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-5714546	بروز اتوار	9:30AM
لاڑکانہ	بر مکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلّہ جاڑل شاہ' رابطہ فون: 074-42714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
ملتان	شاہ سنز پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ' وہاڑی روڈ' (بس سٹینڈ چوک سے تقریباً اڑھائی کلومیٹر وہاڑی کی طرف) ملتان۔ رابطہ فون نمبر: 061-6538572' موبائل: 0300-7353221	بروز جمعہ	3:30PM
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد' (وڈیو کیسٹ) بر مکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1' محلّہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-502878	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی' صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان' معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق' محلّہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چارباغ' (حجرہ ریاض الامین صاحب)' (رابطہ: انچارج یوٹیلیٹی سٹورز' مردان روڈ' صوابی) فون نمبرز: 250092, 250102, (0938)310262	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

حمد وستائش کا مالک

اللہ کی بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ خارجی کائنات اور عالمگیر انسانیت کا نشوونما دینے والا ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم میں **رب العالمین** کی اصطلاح آتی ہے۔ اس کی یہی **رب العالمینی** کی صفت ہے جس کی وجہ سے وہ درخورِ حمد وستائش ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے افتتاحیہ کی ابتدا **الحمد للہ رب العالمین** سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں لفظ اللہ کے بعد (جو اس کا ذاتی نام ہے) سب سے زیادہ اس کی صفتِ رب کا استعمال ہوا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی صفتِ ربوبیت بنیادی ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ (30:40)۔ اللہ وہ ہے جس نے تم سب کو پیدا کیا اور سب کے لئے رزق (سامانِ زیست) مہیا کیا۔ خالقیت (پیدا کرنے) کے بعد، ہر شے کو نشوونما دیتے ہوئے اسے بتدریج اس کے نقطۂ آغاز سے تکمیل تک پہنچا دینا، اسی صفتِ ربوبیت کا مظاہرہ ہے۔ خارجی کائنات میں اس کی اس صفت کا مظاہرہ اللہ کے قوانینِ فطرت کی رو سے از خود ہوتا جاتا ہے لیکن جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے، یہ پروگرام انسانی رفاقت سے بروئے کار آتا ہے۔ اس کے لئے ایک ایسے نظام معاشرہ کی ضرورت ہے جس میں افرادِ معاشرہ کی طبعی نشوونما اور ان کی ذات کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما بطریقِ احسن ہوتی جائے۔ اسی کو دینِ اسلام، نظامِ خداوندی، قرآنی نظام، خلافت علیٰ منہاج رسالت یا اسلامی نظام کہا جاتا ہے جس کے نفاذ کے لئے اللہ نے قرآن بطور دستورِ حیات (آئین) نازل کیا۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ أَنْزَلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (42:17)۔ اس لئے اللہ نے اس ضابطۂ قوانین کو حق کے ساتھ نازل کیا اور اس کے ساتھ میزان یعنی توازن بدوش عملی نظام کو۔ اس میزان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسانی پرورش کے لئے ہماری عطا کردہ جن بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے انہیں ہم نے ہر فرد کے لئے الگ الگ نہیں رکھا۔ اسے تمام مخلوق کے فائدے کے لئے مشترکہ طور پر دیا ہے۔ اس کی تقسیم کے لئے قرآن کی میزان دے دی گئی تاکہ ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق رزق ملتا

رہے۔ (اگر مشتر کہ سامانِ زیست کی تقسیم اور صَرف کے لئے' خدا کی طرف سے مستقل اصول وقوانین نہ دیئے جاتے اور اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تا کہ وہ جس طرح جی چاہے اسے اپنے صَرف میں لائیں' تو طاقتور انسان سب کچھ سمیٹ کر بیٹھ جاتے اور کمزور انسانوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ملتا۔۔۔ جیسا کہ ان قوانین کو نظرانداز کردینے سے دنیا میں ہورہا ہے)۔

قرآن کریم میں اللہ کا حکم ہے کہ: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ (56:96)- تم اپنے نشوونما دینے والے کے ربوبیتِ عامہ کے پروگرام کو مشہود طور پر مستحقِ حمد و ستائش بنانے کے لئے سرگرمِ عمل رہو۔ یعنی اسے اس انداز سے متشکل کرو کہ ساری دنیا پکار اٹھے کہ فی الواقعہ قابلِ حمد و ستائش ہے وہ ذات جس کا نظام ایسے خوشگوار اور انسانیت ساز نتائج پیدا کرتا ہے۔ (لیکن دینِ اسلام کے صدرِ اول کے بعد ہمارے ہاں' بھگتی' پوجا اور پرستش کی طرح' اس سے مقصد تسبیح کرنا ہو گیا۔ اللہ **غنی الحمید** ہے وہ ہماری طرف سے منکوں والی تسبیح اور ھوحق کے نعروں کا محتاج نہیں)۔ سورۃ الزمر میں اللہ کے نظامِ ربوبیت کے نتیجہ میں ہے کہ: وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (39:69)- اس وقت زمین (انسانی معاشرہ) اللہ کی عالمگیر ربوبیت کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور ہر معاملہ اللہ کے ضابطۂ قوانین کے مطابق طے ہوگا۔ اس طرح زندگی کا وہ نقشہ مرتب اور مکمل ہو کر سامنے آجائے گا جس کے لئے انبیاء علیہم السلام آتے رہے' اور جماعتِ مومنین جس کی شہادت دیتی رہی۔ اس دور میں لوگوں کے تمام معاملات کے فیصلے حق کے ساتھ ہوں گے اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی۔ نہ ہی کسی کے حق میں کوئی کمی کی جائے گی۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجہ میں اس دنیا میں ایسے جنتی معاشرہ (جنتِ ارضی) کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ: دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (10:10)- وہ معاشرہ جوان کے اس دعویٰ کی زندہ شہادت ہوگا کہ یہ چیز اللہ کے قانون سے بہت بعید ہے کہ وہ صحیح کوششوں کے تخریبی نتائج پیدا کردے۔ اس معاشرہ میں ہر فرد' دوسرے افراد کے لئے حیات بخش آرزوئیں اور سلامتی عطا کرنے والی تمنائیں لئے ہوگا اور ان کی اس دعوت کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نظامِ ربوبیت کے عالمگیر نتائج دیکھ کر ہر شخص پکار اٹھے گا کہ اللہ کا یہ نظام کس قدر مستحقِ حمد و ستائش ہے (1:1)-

سورۃ رحمٰن میں ہے کہ: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ (55:46)- جن لوگوں کو اس کا احساس ہے کہ ہمارے ہر عمل کے متعلق ہم سے باز پرس ہوگی۔۔۔ انسان کا کوئی عمل بلا نتیجہ نہیں رہے گا۔۔۔ (اور یوں وہ

خطرناک گھاٹیوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر کریں گے) ان کے لئے دوجنتیں ہوں گی۔۔۔۔ ایک جنت اس دنیا میں' اور دوسری جنت آخرت میں۔ وَجَنَی الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ (55:54)- یادرکھو! ان کی حال کی زندگی اور مستقبل کی زندگی (یہاں اور وہاں کی زندگی) میں کوئی بُعد اور فاصلہ نہیں ہوگا۔ (دونوں کے پھل ہر ایک کی دسترس میں ہوں گے) دونوں کے ثمرات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے۔ (زندگی ایک جوئے رواں ہے جو یہاں سے وہاں تک مسلسل جاتی ہے۔ اس لئے اس کے حال اور مستقبل میں کچھ فرق نہیں ہوسکتا۔ نشوونما یافتہ ذات یہاں بھی سکون و اطمینان سے رہتی ہے اور اس کی یہی کیفیت وہاں ہوگی۔ اس قسم کے افراد کی اجتماعی زندگی یہاں بھی آسائشوں اور فراوانیوں کی ہوگی اور وہاں بھی۔ یہاں کی جنت کے گوشے مسلسل وہاں کی جنت سے جا ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی طرح جو قوم بھی اس دنیا میں تباہی و بربادی اور ذلت و رسوائی والی جہنمی زندگی بسر کر رہی ہو اس کا اُخروی جنت کا خواب' خودفریبی کے سوا کچھ بھی نہیں)۔

دنیا اور آخرت دونوں میں جنتی زندگی کے لئے نظامِ خداوندی کا ہونا لازمی ہے اس کے بغیر جنتی معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اُخروی جنت میں داخلہ۔ یہ اللہ کا فرمان ہے کہ: وَمَن یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ یُدْخِلْہُ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِہَا الْأَنْہَارُ وَمَن یَتَوَلَّ یُعَذِّبْہُ عَذَاباً أَلِیْماً (48:17)- جو شخص بھی دل کے خلوص سے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ یعنی نظامِ خداوندی کی اطاعت کرے گا' اللہ اسے اس جنتی معاشرہ میں داخل کرے گا جس کی خوشگواریاں سدابہار ہیں اور جو کوئی اس نظام سے روگردانی کرے گا وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ (قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ و رسول ﷺ کے الفاظ یکجا آئے ہیں وہاں اس اصطلاح سے مراد نظامِ خداوندی ہے جس کے قائم نہ ہونے کی وجہ سے دورِ حاضر کے مسلمان جہنم کے پست ترین درجہ میں ہیں۔ کسی مولوی یا پیر کی بات ماننا اطاعت نہیں ہے' حکمران یا حکومت کی طرف سے کسی حکم اور فیصلے کی تعمیل کا نام اطاعت ہے)۔ اللہ کا فرمان ہے کہ: وَمَن لَّمْ یَحْکُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰہُ فَأُوْلَـئِکَ ہُمُ الْکَافِرُونَ '(5:44)- جو لوگ ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے کافر ہیں (المائدہ)۔ سورۃ النساء میں ارشادِ خداوندی ہے کہ: تِلْکَ حُدُودُ اللّٰہِ وَمَن یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ یُدْخِلْہُ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِہَا الأَنْہَارُ خَالِدِیْنَ فِیْہَا وَذَلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (4:13)- یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔ سو جو لوگ اس نظامِ خداوندی کی اطاعت کریں گے جس کی تشکیل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے ہوئی ہے' ان کے لئے ایسا جنتی معاشرہ پیدا ہوجائے گا جس کی شادابیاں سدابہار ہوں

گی اور یہ بہت بڑی کامرانی ہے۔ وَمَن یَعۡصِ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُودَہٗ یُدۡخِلۡہُ نَاراً خَالِداً فِیۡھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیۡنٌ (4:14)-اور جو اس نظام کی نافرمانی کرے گا۔ یعنی ان حدود اللہ سے تجاوز کرے گا تو اس کی زندگی ایسے ذلت آمیز عذاب میں گذرے گی جو اس کی انسانی صلاحیتوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دے گی۔ (ہماری اجتماعی زندگی سو فیصد غیر اسلامی ہے لیکن مرتے وقت کوئی شخص کلمہ پڑھ لے تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا یہ جنتی ہے۔ نہیں سوچتے کہ مرتے وقت فرعون کا ایمان لانا قبول نہیں کیا گیا تھا۔ زندگی کا مقصد اللہ کی محکومیت و اطاعت کے لئے نظامِ خداوندی کا قیام ہے۔ روزِ قیامت جن اشخاص کے اعمال نامہ میں اقامتِ دین کا خانہ خالی رہ گیا قرآن کی رو سے ان کے دوسرے سب اعمال رائیگاں جائیں گے ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے میزان تک کھڑی نہیں کی جائے گی (الکہف)۔ غیر خداوندی نظام کے تابع زندگی بسر کرنے سے اپنی ذات کے ساتھ ظلم کرنے والوں کے متعلق سورۃ النساء میں ہے کہ: إِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰھُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡٓ أَنۡفُسِھِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ کُنۡتُمۡ (4:97)- وہ لوگ جو غیر خداوندی نظام کے ماتحت اطمینان سے بیٹھے زندگی بسر کرتے اور اپنی ذات کا نقصان کرتے رہیں۔ اگر اسی حالت میں ان کی موت آجائے تو ملائکہ کی طرف سے ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم غیر خداوندی نظام کی محکومی میں پڑے رہے؟)۔ اللہ کا فرمان ہے کہ: وَمَن لَّمۡ یَحۡکُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰہُ فَأُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُونَ (5:45)- جو شخص اس ضابطہ خداوندی کے مطابق فیصلے (حکومت) نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ظالم ہیں۔ (ان میں محکومی اختیار کرنے والے خود بخود شامل ہو جاتے ہیں)۔

نظامِ ربوبیت یعنی قرآنی نظامِ معیشت کی بنیاد انفاق پر ہے۔ دولت کو جمع کر کے، اسے صرف اپنی ذات کے لئے سمیٹ رکھنا بخل ہے جو مومن کی ذہنیت کی ضد ہے۔ مومن بڑی محنت سے کماتا ہے اور اپنی ضروریات سے زائد جتنی دولت ہو اسے انسانیت کی بہبود کے لئے ہر وقت کھلا رکھتا ہے کہ قرآنی نظام کو جس وقت ضرورت پڑے اسے اس مقصد کے لئے لے لے۔ اسلامی زندگی دو منازل پر مشتمل ہوتی ہے۔ منزل اول وہ ہوتی ہے جس میں ہنوز اسلامی مملکت کا قیام عمل میں نہ آیا ہو (اس کے قیام کے لئے کوشش کی جا رہی ہو) اس منزل میں انفاق، انفرادی طور پر ہو گا۔ منزل دوم وہ ہو گی جس میں مملکت اسلامی قائم ہو چکی ہو۔ اس وقت انفاق کی حیثیت اجتماعی طور پر نظام کی طرف سے ہو گی۔ ان دو مراحل کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔۔۔ ہمارے ہاں کسی محراب و منبر سے اسلامی نظام یا قرآنی نظام معیشت کی بات تک نہیں کی جاتی اس کے قیام کی کوشش تو دور کا کام ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے کہ

فاسقین کا انفاق قابل قبول نہیں ہے۔ قُلْ أَنفِقُواْ طَوْعاً أَوْ كَرْهاً لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْماً فَاسِقِيْنَ (9:53)-ان سے کہہ دو کہ تم طوعاً یا کرہاً انفاق کرنا چاہو تو تمہاری یہ مالی امداد ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اس لئے کہ تم صحیح راستے کو چھوڑ کر غلط راہوں کی طرف نکل گئے ہو۔ دوسری جگہ فاسقین کی تشریح یوں ہے کہ: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (5:47)- جولوگ ماانزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، فیصلے نہیں کرتے وہ فاسقین ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ فسق کی وجہ سے بستیاں تباہ ہو جاتی ہیں (17:16)- اللہ نے ہمیں قائداعظمؒ کی وساطت سے پاکستان کا خطۂ زمین، اپنا دین (نظامِ خداوندی) قائم کرنے کے لئے عطا کیا ہم اس راہ کو چھوڑ کر اور ہی طرف نکل کھڑے، یہ فسق نہیں تو اور کیا ہے۔ رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ تباہی اور بربادی کی شکل میں اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ محولہ بالا سورہ مائدہ کی آیات کے تینوں ٹکڑوں کو سامنے لائیے، جن میں کافرون، ظالمون اور فاسقون کے الفاظ آئے ہیں، اور پھر اندازہ لگائیے کہ ان میں سے کونسا لفظ ہے جو ہماری قوم پر فٹ نہیں بیٹھتا۔

قرآن کریم کی بعض آیات میں بخل کے لئے **فحشاء** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس لئے کہ عرب بخیل شخص کو فاحش کہتے ہیں۔ **فحشاء** کے ایک معنی ذلیل اور شرمناک حرکت بھی ہیں۔ سورہ محمدﷺ میں ہے جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ جو قوم ایسی روش کو معاشرہ کا جزو بنا لیتی ہے، تباہ ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری قوم لے لیتی ہے جس کی روش اس قسم کی نہیں ہوتی (47:38)- دوسری جگہ اللہ نے فرما رکھا ہے کہ: الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً (4:37)- وہ لوگ جن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ سب کچھ اپنے لئے سمیٹ کر رکھتے ہیں اور کسی کو کچھ نہیں دینا چاہتے۔ پھر ایسے قوانین وضوابط بناتے ہیں جس سے معاشرہ کی روش یہی ہو جائے اور بخل کو معیوب ہی نہ سمجھا جائے اور یوں ہر شخص، ان چیزوں کو اپنے لئے چھپا چھپا کر رکھتا چلا جائے جو اسے خدا کے فضل وکرم سے عطا ہوئی ہوں۔ یاد رکھو! جو لوگ خدا کی نعمتوں کی ناسپاس گذاری کرتے ہیں۔ اور ناسپاس گذاری یہ ہے کہ انہیں چھپا چھپا کر رکھا جائے اور نوعِ انسان کی پرورش کے لئے صَرف نہ کیا جائے۔ ان کی اس روش کا نتیجہ دردانگیز تباہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَـاء النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَن يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِيْناً فَسَاء قِرِيْناً (4:38)- ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنا مال خرچ تو کرتے ہیں لیکن اس لئے نہیں کہ وہ

خدا کے عالمگیر نظامِ ربوبیت کی صداقت' قانونِ مکافاتِ عمل اور موت کے بعد زندگی کے مسلسل آگے بڑھنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ بعض لوگوں میں اپنی نمود و نمائش کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اس کا جذبۂ محرکہ اپنے ایغو کی تسکین ہوتا ہے اور بس۔ سو ظاہر ہے کہ جس عمل کی بنیاد اس قسم کے پست جذبات پر ہو اس کا نتیجہ کس طرح خوشگوار ہو سکتا ہے؟۔ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُواْ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَنفَقُواْ مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّهُ وَكَانَ اللّهُ بِهِم عَلِيماً (4:39)۔ یہ محض نگاہ کا پھیر اور پست ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ ورنہ اگر یہ لوگ خدا کی متعین کردہ مستقل اقدار کی صداقت' اور قانونِ مکافات پر یقین رکھتے اور دولت کو انہی مقاصد کے لئے صَرف کرتے' نہ کہ اپنی نمود کی خاطر' تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑتی؟ لیکن خدا کو خوب علم ہے کہ انسان کس جذبہ کے ماتحت کوئی کام کرتا ہے۔ (مفہوم القرآن)۔

سورہ البقرۃ میں ہے کہ: الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاء وَاللّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (2:268)۔ یاد رکھو! شیطان یعنی تمہارے انفرادی مفاد کے خیالات (جذبات) تمہیں یہ کہہ کر ڈرائیں گے کہ اگر تم نے سب کچھ دوسروں کے لئے دے دیا تو تم مفلس اور نادار ہو جاؤ گے۔ کل کو تم پر برا وقت آ گیا تو کیا کرو گے؟ اس لئے تم اپنا روپیہ پیسہ اپنے پاس رکھو یعنی بخل کی ترغیب دلاتا ہے۔ لیکن یاد رہے! خدا کا نظامِ ربوبیت' تمہیں ہر قسم کی احتیاج سے محفوظ رکھنے اور خوش حالی کی زندگی بسر کرنے کی ضمانت دیتا ہے اور یہ ضمانت اس بنا پر دیتا ہے کہ یہ نظام اس خدا کا ہے جو بڑی وسعتوں کا مالک ہے اور اس کی ہر بات علم و حقیقت پر مبنی ہے۔ (اس آیت میں مروجہ تراجم کے مطابق فحشاء کے معنی بے حیائی لینے سے آیت کے اگلے ٹکڑے سے ربط ہی نہیں رہتا)۔ سورہ العنکبوت میں ہے کہ: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ (29:45)۔ (جو لوگ جانتے ہیں کہ ان کے مال میں سائل و محروم کا حق ہے) حقیقت ہے کہ ایسے مصلّین کو نظامِ الصلوٰۃ یا ان کی نماز' بخل اور عقل کی فریب کاریوں سے روکتی ہے۔ (اس کے برعکس علماء کی تعلیم اور تواتر سے مروجہ تراجم کی رو سے ہماری مذہبی نماز تو بے حیائی اور شرمناک حرکت سے بھی نہیں روکتی۔ آئے دن اخبارات میں ائمہ اور مولویوں کے قصے چھپتے رہتے ہیں۔ یہاں مانچسٹر کا ایک واقعہ ہے۔ ایک لڑکے کے باپ نے جامع مسجد کے امام و خطیب علامہ کے خلاف مقدمہ کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جج نے اسے بری کر دیا تھا۔ وہ کیوں نہ بری کرتا یہاں کی گورنمنٹ نے لواطت (Sodomy)' جس سے حیوانوں کی بھی نظریں حیا سے جھک جائیں' کا شرمناک فعل قانوناً جائز قرار دے رکھا ہے۔ چند ماہ ہوئے ایشیا ساؤنڈ ریڈیو پر ایک عورت نے اپنی رشتہ دار نابالغ لڑکی کے ساتھ اس کے حافظِ قرآن استاد کا قصہ بیان کیا تھا)۔

محمد ﷺ کے معنی ہیں جس کی یکے بعد دیگرے مسلسل حمد کی جائے۔ نبی اکرم ﷺ کا ایک اسم گرامی احمد تھا (61:6) جس کے معنی ہیں بہت زیادہ حمد کرنے والا۔ اسی سے آپ ﷺ خود مقامِ محمود پر فائز ہو گئے (17:79)۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں دن میں پانچ بار اذان کے بعد ٹیلی ویژن پر دعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ محمد ﷺ کو مقامِ محمود پر پہنچا جس کا تو نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ یاللعجب۔ آپ ﷺ **رحمۃ للعالمین** بھی ہیں اس سے بلند مقام اور کیا ہوگا؟

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ خصوصی رعایتی ہدیوں پر دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ	صفحات	رعایتی ہدیہ	نام کتاب	سورہ	صفحات	رعایتی ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	120/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	250/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	70/-	سورہ یٰسین	(36)	164	100/-
سورہ النحل	(16)	334	150/-	29واں پارہ (مکمل)	----	541	250/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	175/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	250/-
سورۃ الکہف و مریم	(18-19)	511	200/-				
سورہ طٰہٰ	(20)	416	180/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	150/-				
سورۃ الحج	(22)	380	180/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	200/-				
سورۃ النور	(24)	263	150/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	200/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	453	230/-				
سورۃ النمل	(27)	280	170/-				
سورہ القصص	(28)	334	200/-				
سورہ عنکبوت	(29)	387	220/-				

ان خصوصی رعایتی ہدیوں پر مزید کوئی کمیشن/رعایت نہیں دی جاتی۔ خرچہ ڈاک اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''**قرآن فہمی اور باغبانی**'' ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں وحدت قیادت نہ ہونے کے سبب اغیار ہمیں جدا جدا کر کے مار رہے ہیں۔ باغبان ایسوسی ایشن نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں وحدت اقتدار (خلافت) کے سلسلہ میں مقابلہ مضمون نویسی کا انعقاد کیا جائے۔ اس سلسلے میں کچھ اشتہار پہلے بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ مقابلہ مضمون نویسی کا عنوان:

﴿قیام خلافت کی راہ میں کون حائل ہے﴾

اس مقابلہ میں مضمون کا پہلا حصہ فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں اور دوسرا حصہ حالات حاضرہ کی روشنی میں ہونا چاہئے جو کہ 5 صفحات سے کم نہ ہو۔ مضمون کے لئے یہ شرط بھی ہوگی کہ وہ پہلے قومی پریس میں شائع ہو چکا ہو۔ اس سے یہ فکری تحریک اور تیز ہوگی۔ پہلا انعام ایک ہزار روپے نقد اور دوسرا انعام 800 روپے ہوگا۔ ایک عام 5 سطری تجویز جو جامع اور مؤثر ہو اس پر 500 روپے انعام دیا جائے گا۔ شائع شدہ مضامین کی درجہ بندی کے لئے ججز پینل تشکیل دے دیا گیا ہے۔ یہ تمام حضرات باغبان ایسوسی ایشن کے تاحیات ممبر ہیں۔

(1) ملک عبدالمسجود' ایم۔اے۔بی۔ایڈ' مری (2) ملک فضل عالم' بی۔اے' راولپنڈی

(3) راجہ محمد صغیر' ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی' قانونی مشیر' مری (4) محمد اشفاق عباسی' ایم۔فل' مری۔

شائع شدہ مضامین وصول کرنے کی آخری تاریخ مع فوٹوسٹیٹ شناختی کارڈ 12 اگست 2009ء مقرر ہے۔ اگر کوئی معیاری مضمون شائع ہونے سے رہ جائے تو بھی غیر شائع شدہ صورت میں قبول کر لیا جائے گا۔

تقسیم انعامات 14 اگست 2009ء کو ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

پتہ رابطہ: **(1) ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' نیو مری۔**

(2) صبینہ یاسمین' سینئر نائب صدر' باغبان ایسوسی ایشن' ٹبی سیداں' سوہاوہ' جہلم۔

(3) تنویر صادق' نائب صدر' باغبان ایسوسی ایشن' مکان نمبر 6/18' گلی نمبر 1' میاں چنوں' خانیوال۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ 14 اگست

پاکستانی مٹکے

بچپن میں ایک واعظانہ قصہ سنا کرتے تھے کہ جب حضرت نوحؑ اپنے متبعین کو ساتھ لے کر کشتی میں سوار ہو گئے اور کفار سے کہہ دیا کہ آج اس طوفان بے پناہ سے کسی کو پناہ نہیں مل سکتی، تو انہوں نے دیکھا کہ کفار نے بڑے بڑے مٹکے لئے اور انہیں پانی میں دھکیل کر، ان پر تیرنا شروع کر دیا۔ اس سے حضرت نوحؑ کو سخت قلق ہوا اور انہوں نے بدرگاہ رب العزت دعا مانگی۔ اس پر اللہ میاں نے سخت تیز آندھی چلا دی جس سے وہ مٹکے آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ گئے اور ان کے سہارے تیرنے والے سیلاب میں غرق ہو گئے۔

یہی نظارہ ہمیں پاکستان میں نظر آ رہا ہے جہاں سندھ اور پنجاب کے سیاسی اکابرین حضرات ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں دوسری طرف پختون، بلوچ، مذہبی اور سیکولر سیاسی گروہوں کے مٹکے ایک دوسرے سے ٹکریں لے رہے ہیں اور سیلاب بلا کی طغیانیاں ان پر ہنس رہی ہیں کہ اس قسم کے سہارے پکڑنے والوں کا یہی حشر ہوا کرتا ہے اور دور سے ایک آواز پکار کر کہہ رہی ہے کہ:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ (6:65)-

اللہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے عذاب نازل کر دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم پارٹی بازی میں الجھ جاؤ اور اس طرح تم ایک دوسرے سے ٹکرانے کا مزہ چکھ لو۔